
ماہنامہ
مومن
لاہور
مئی 2003ء
وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے بانی

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

کی فکر انگیز، حیات آفریں اور نظر افروز تصانیف

روحانیت کی دنیا کا سرمایۂ افتخار تصوفِ بیدار اور رشد و ہدایت کا بیش قیمت خزینہ!

تعمیرِ ملّت

- ہم کہاں کھڑے ہیں ؟
- ملت اسلامیہ کے مادی و روحانی تنزل کی کیا وجوہات ہیں ؟
- تعمیرِ کردار اور روحانی ترقی کے لیے بہترین لائحہ عمل

چراغِ راہ

- حضرت قبلہ انصاریؒ حضور کے بیش بہا خطبات کا انمول خزینہ
- سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی قدم قدم کہانی
- سالکانِ راہ طریقت کے لیے قابلِ قدر رہنما کتاب ہدایت

حقیقت وحدت الوجود

- وحدت الوجود کیا ہے اور کیا نہیں ہے ؟
- وحدت الشہود کی حقیقت
- کہاں اور کیوں ــــ حقیقت خرافات میں کھوگئی؟

طریقتِ توحیدیہ

- خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ حضور کی وہ زندہ و تابندہ تعلیمات
- جو عظیم روحانی سلسلہ توحیدیہ کی سنگ بنیاد ثابت ہوئیں
- اور جن پر عمل کر کے لاکھوں گم کردہ راہ انسان آسمانِ رشد و ہدایت کے روشن و منوّر ستارے بنے
- تصوفِ بیدار کی انمول تعلیمات کا مختصر اور جامع مجموعہ

آج ہی طلب فرمایئے پہلی فرصت میں مطالعہ کیجئے اور اپنے دوست احباب کو تحفہ میں دیجئے

بلاشبہ یہ سامانِ ہدایت ہے آپ کے آج اور آنے والے کل کے لیے

پہچان پبلی کیشنز B-12 سٹی ٹاور 12 ایبٹ روڈ (رائل پارک) لاہور ــ فون نمبر: 042-6373219

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ

ماہنامہ مومن لاہور

جلد نمبر 4 شمارہ نمبر 5 مئی 2003ء

صدر نشین: غلام رسول شاہد

نگران و منتظم: محترمہ اُمِّ کلثوم خان

مدیر: مزمل رسول ہاشمی

مارکیٹنگ منیجر: شفاعت رسول ہاشمی

سرکولیشن منیجر: غلام مجتبیٰ

قانونی مشیر: خلیل احمد ایڈووکیٹ

زیر سرپرستی

سلسلۂ عالیہ توحیدیہ

G-92 ماڈل ٹاؤن لاہور

بدل اشتراک

	فی شمارہ	سالانہ
پاکستان	20 روپے	200 روپے
انگلستان	1 پونڈ	10 پونڈ
متحدہ عرب امارات	4 درہم	40 درہم
سعودی عرب	4 ریال	40 ریال

خط و کتابت: پوسٹ بکس نمبر 5050 لاہور پاکستان

اشتہارات و ترسیل زر: B-12 سٹی ٹاور 12 ایبٹ روڈ رائل پارک لاہور پاکستان

موبائل: 0300-8466331, 0300-4259134

فون: 6373219-9242+ فیکس: 5881290-9242+

email:rasul92@hotmail.com

www.momin.biz

فقیری کا مقصد اللہ تعالیٰ کی معرفت و قربت، اس کا ماحصل مکارم اخلاق کی تکمیل اور مصرف مخلوق خدا کی خدمت ہوتا ہے۔ حضور سرور کائناتؐ افضل الانبیاء اور صوفیائے کرام کے سردار تھے۔ آپؐ نے سب سے بڑھ کر محبت اللہ رب العزت سے کی۔ اللہ سے آپ کا تعلق ایسا تھا کہ اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے۔ تہجد کے نوافل میں اتنی دیر کھڑے رہتے کہ پاؤں مبارک پر ورم آجاتا۔ کسی بھی شخص سے آپ کی دشمنی یا دوستی محض اللہ کیلئے ہوتی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ سے محبت ہی اصل ولائت ہے۔ جسے اللہ سے جتنی زیادہ اور خالص محبت ہوگی وہ اتنا ہی بڑا ولی اللہ ہوگا۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ط (مومن تو وہ ہی ہیں جو اللہ کے ساتھ ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں)۔ چنانچہ بزرگی کا اصل معیار محبت الٰہی اور اتباع رسولؐ ہے کشف و کرامات نہیں۔ آپؐ سراپائے رحمت، پیکر اخلاق اور حامل قرآن بلکہ چلتا پھرتا قرآن تھے۔ آپ کی سیرت مبارکہ جمال الٰہی کا مظہر تھی۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کو بالمومنین روف الرحیم یعنی مومنین کیلئے شفیق و مہربان اور رحمت العالمین یعنی سب جہانوں کیلئے رحمت کی صفات مبارکہ کے حوالے سے یاد فرمایا۔ اللہ خطاؤں کو معاف فرماتا ہے آپ بھی خطا کاروں سے درگزر فرماتے زندگی بھر آپ نے کسی کو برا بھلا کہا نہ اپنے ذاتی معاملے میں کسی سے انتقام لیا۔ کبھی کسی کی درخواست ٹھکرائی نہ اپنے کسی خادم، عورت یا جانور کو اپنے ہاتھ سے مارا۔ آپؐ ہر دلعزیز، نرم مزاج اور خوش گفتار تھے۔ ایفائے عہد، سادگی، قناعت اور حیا آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا اور صداقت و امانت آپ کی پہچان! تقویٰ آپ کا لباس تھا اور فقر آپ کی میراث!! اللہ رب العزت نے آپ کی ذات با برکات کو ہر خوبی کا اعلیٰ ترین معیار بخشا۔ جو آپ کو دیکھتا، مرعوب ہوتا اور جو پاس رہتا وہ آپؐ ہی کا ہو جاتا۔ بڑوں کا ادب، اہل و عیال سے نیک سلوک، یتیموں مسکینوں اور غلاموں پر شفقت، سخاوت و فیاضی، مہمان نوازی، تواضع اور سادگی، حوصلہ مندی اور شجاعت، توکل و خشیت اور زہد و قناعت سب خوبیوں میں آپ اپنی مثال آپ تھے۔ آپ ﷺ کا اخلاق اتنا بلند تھا کہ خود اللہ رب العزت نے آپؐ کے اخلاقِ عالیہ کی تعریف وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ جیسے خوبصورت الفاظ میں فرمائی۔ اخلاق کیا ہے؟ حقوق اللہ، حقوق نفسی اور حقوق العباد، ہر قسم کے حقوق کی بطریق احسن اور خوشی خوشی ادائیگی! چنانچہ اخلاق لذت پرستی، ذاتی خوشی و ناخوشی، انا پرستی، چاپلوسی یا فلسفیانہ مباحث کا نام نہیں بلکہ فقر و احسان کا نام ہے۔ اس لئے اگر آپ صوفی یا فقیر بننا چاہتے ہیں تو رسول اللہؐ کے اخلاق عالیہ کو اپناؤ۔

صدر نشین

حُسنِ انتخاب

آئندہ شمارہ میں ان شاء اللہ

سیرت النبی ﷺ، اخلاقیات، ایمانیات، تصوف، نفسیات، صحت و سلامتی اور حالات حاضرہ جیسے عنوانات پر تحقیقی مضامین

پرنٹر و پبلشر: غلام رسول شاہد پہچان پبلی کیشنز B-12 سٹی ٹاور 12 ایبٹ روڈ رائل پارک لاہور

ربیع الاول

محترمہ اُمّ کلثوم خان

ربیع الاوّل اسلامی کیلنڈر کا تیسرا مہینہ ہے۔ اس کے لغوی معنی "پہلی بہار" کے ہیں۔ گلشن کائنات میں اصل فصل بہار حضور ﷺ سرورِ کائنات ہی کے دم قدم سے آئی۔ آپ ﷺ اس ماہ مبارک کے نویں روز اس دنیا میں جلوہ افروز ہوئے جو تاریخ عالم کا اہم ترین واقعہ ہے۔ کائنات پر اللہ رب العزت کی یہ رحمت واحسان ۱ عام الفیل بمطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء بروز پیر صبح صادق کے وقت ہوا۔

آفتاب رسالت کا طلوع اور بشارت وحی بھی ۹ ربیع الاوّل ۴۱ عام الفیل بمطابق ۹ فروری ۶۱۰ کو ہوئی۔ آپؐ نے مدینہ المنورہ میں مسجد قبا کی بنیاد اسی ماہ کی آٹھ تاریخ ۱ھ بمطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ کو اپنے دست مبارک سے رکھی۔ مسجد نبوی شریف کی تاسیس مسجد قبا کا سنگ بنیاد رکھے جانے کے گیارہ روز بعد اس ماہ عظیم کی ۱۹ تاریخ یعنی اکتوبر ۶۲۲ میں ہوئی اور اذان کی باقاعدہ ابتدا بھی اس روز سے ہوگئی۔ حضور سرور کائنات نے اس ماہ بابرکت میں داعی اجل کو لبیک کہا اور یوں حضرت صدیق اکبرؓ اسی ماہ کی ۱۲ تاریخ کو مسند خلافت رسولؐ پر تشریف فرما ہوئے۔ حضرت سلمانؓ فارسی، حضرت امام حسنؓ بن حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سمیت کئی ایک مکرم صحابہ اور بہت سی بزرگ ہستیاں اسی ماہ مبارک میں دنیا سے رخصت ہوئیں۔

تاہم اس ماہ بہاراں کی سب سے بڑی شان بہارِ دوجہاں، سرورِ کونین، تاجدارِ مدینہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی آمد مبارک ہے۔ اس لئے ہم مسلمانوں پر لازم ہے کہ اللہ کے حضور آپ ﷺ کی آمد مبارک کے حوالے سے سجدۂ شکر ادا کریں۔ اپنے پیارے نبی کریم ﷺ کے درجات کی بلندی کے لئے خوب صدقہ خیرات دیں اور غریب بہن بھائیوں کو عید میلاد کی خوشیوں میں شامل کریں۔

تلاوت کلام پاک کثرت سے کریں اور اس کا ایصال ثواب حضور سرور کائنات ﷺ، آپ ﷺ کے اہل ایمان آباؤ اجداد، آپ ﷺ کے اہل بیت، ازواج مطہرات، آپ ﷺ کے صحابہ کبار، شہداء اسلام اور آپ ﷺ کا اتباع کرنے والے اولیائے اکرام، صوفیائے عظام، صدیقین، صالحین اور مبلغین اسلام کی ارواح مقدسہ کو پہنچائیں۔

توبہ استغفار کثرت سے پڑھیں کہ دعائے مغفرت اللہ کی رحمتوں کے حصول کی کنجی ہے۔ حضور سرور کائنات ﷺ پر کثرت سے درود شریف بھیجیں۔ سلام بھیجنے والوں پر ہی سلامتی لوٹائی جاتی ہے۔ سورۂ کوثر تواتر سے پڑھیں۔ تہجد اور قیام الّیل کے نوافل ادا کریں اور حضور اقدس ﷺ کی روح مبارکہ کو ایصال ثواب پہنچائیں درود شریف میں سب سے اچھا اور جامع درود شریف درود ابراہیمی یعنی نماز میں پڑھا جانے والا درود شریف ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ﴿١﴾

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴿٢﴾

إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ﴿٣﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللهم صل على محمد

وعلى آل محمد كما صليت

على ابراهيم وعلى آل ابراهيم

انك حميد مجيد

اللهم بارك على محمد وعلى

آل محمد كما باركت على

ابراهيم وعلى آل ابراهيم

انك حميد مجيد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١﴾ الرَّحْمَٰنِ

الرَّحِيمِ ﴿٢﴾ مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ ﴿٣﴾ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ

إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴿٤﴾ اهْدِنَا الصِّرَاطَ

الْمُسْتَقِيمَ ﴿٥﴾ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ

الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ﴿٧﴾

علم القرآن

حافظ مشتاق احمد

قسط نمبر 12

75-سورۃ قیامۃ

☆ سورۃ قیامۃ مکی سورۃ مبارکہ ہے اس میں چالیس (40) آیتیں اور دو (2) رکوع ہیں۔ اس سورۃ مبارکہ میں قیامت کے دن کا ذکر ہے۔ قیامت کے دن کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سورۃ مبارکہ کے آغاز ہی میں اللہ رب العزت نے روزِ قیامت اور نفس لوامۃ کی قسم کھا کر فرمایا کہ ہم انسان کو ضرور دوبارہ زندہ کریں گے، اُسکی بکھری ہوئی ہڈیاں اکٹھی کریں گے اور اللہ اس پر قادر ہے۔ ادھر انسان کی غفلت اور غرور کا حال یہ ہے کہ روزِ قیامت کے دن کے بارے میں پوچھتا ہے کہ کب قیامت آئے گی۔ حالانکہ جب وہ آئے گی تو سارا نظامِ عالم درہم برہم ہوجائے گا تو یہی انسان جائے پناہ ڈھونڈنے کے لئے ادھر ادھر بھاگتا پھرے گا لیکن اس دن اللہ کے سوا کسی جگہ ٹھکانہ اور جائے پناہ نہ ہوگی۔ اور یہ کہ انسان کے سارے اعمال اس کے سامنے ہونگے۔

مزید سورۃ مبارکہ میں حضور نبی کریم ﷺ کو وحی کے یاد رکھنے کے بارے تلقین فرمائی جارہی ہے کہ جب وحی آپ ﷺ کو پڑھائی جائے تو آپ ﷺ اسے یاد کرنے کے لئے جلدی نہ پڑھیں۔ اس وحی کا یاد کروانا اور جمع کرانا ہمارے ذمے ہے۔ انسان کا حال تو یہ ہے کہ وہ دنیا کو دوست اور مقدم رکھتا اور آخرت کو ترک کردیتا ہے۔ اس دن بعض خوش نصیبوں کے چہرے پر رونق ہونگے اور اپنے رب تعالیٰ کے محوِ دیدار ہونگے اور بہت سے منہ اُداس ہونگے کہ ابھی ان پر مصیبت آنے والی ہے۔ اس دن وہ انسان بے حد قابلِ افسوس ہے جس نے قرآن پاک کی تصدیق کی اور نہ ہی نماز ادا کی بلکہ جی کو جھٹلاتے ہوئے منہ موڑ لیا۔ اختتام اس بات پر ہو رہا ہے کہ انسان کی حیثیت تو یہ ہے کہ اسے ایک قطرے سے پیدا کیا گیا ہے مگر یہ پھر بھی اپنے رب تعالیٰ کے اور قیامت کے بارے میں شک میں مبتلا ہے۔

76-سورۃ الدھر

سورۃ الدھر مدنی سورت ہے اس میں اکتیس (31) آیات اور دو (2) رکوع ہیں۔ آغاز انسان پر کیے جانے والے انعام واکرام پر ہو رہا ہے کہ ایک زمانہ تھا کہ انسان کوئی قابلِ ذکر اور قابلِ قدر شے نہ تھا۔ پھر اسے آزمانے کے لئے سوچ بوجھ عطا کرکے اسے سیدھا راستہ دکھلا دیا اب چاہے تو وہ شکر گزار بنے اور چاہے تو ناشکری کی روش اختیار کرلے۔ کافروں کے لیے تو بھڑکتی آگ کا عذاب ہے جبکہ اَبراروں (نیک لوگوں) کے لئے کافور کی آمیزش والے شرابی جام ہیں وہ جو اپنی نذریں پوری کرنے والے اور قیامت کے روز سے خوف کھانے والے ہیں، جو اللہ کی محبت میں یتیموں، مسکینوں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں، انہیں یہ کہہ کر کھلاتے ہیں کہ ہم تمہیں کسی بدلے اور شکریہ کے لئے نہیں کھلاتے بلکہ اللہ کے منہ کو کھلاتے ہیں چنانچہ ایسے مخلصین اور صابرین بندوں کو اس دن اللہ رب العزت روزِ آخرت کے شر سے بچا کر تازگی اور سرور اور جنتی ریشمی لباس بخشے گا۔ وہ جنت میں تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہونگے جہاں نہ دھوپ ہوگی اور نہ سردی کی شدت، ان مقرب بندوں کی مہمان نوازی کا انداز کچھ ایسا ہوگا کہ ان پر چاندی کے برتن اور شیشے کے ساغر استعمال کے لئے دیے جائیں گے۔ جنت کے ایک چشمے سلسبیل سے انہیں خاص شراب کے جام پیش ہونگے۔ خدمت کے لئے ایسے لڑکے ہونگے جو دیکھنے کو موتی ہونگے اور ہمیشہ جوان رہیں گے۔ جدھر دیکھیں گے نعمتیں ہی نعمتیں ہونگی اور ایک بڑی سلطنت ہوگی۔ ان خوش نصیب بندوں کو باریک سبز اور ریشم کے گاڑھے لباس پہنا کر چاندی کے کنگنوں سے سجایا سنوارا جائے گا اور رب رحمٰن ورحیم انہیں خود نہایت صاف ستھرے مشروب پلائے گا اور ساتھ فرمان ہوگا کہ یہ ہے تمہاری جزا اور تمہاری کوشش کی قدر کی گئی ہے۔

دوسرے رکوع کا آغاز نبی کریم ﷺ کو کی گئی اس تلقین سے ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ کفار و مشرکین کی باتوں پر صبر کیجئے اور ان میں سے کسی گنہگار اور ناشکرے کی بات نہ مانئے آپ ﷺ صبح وشام اپنے رب کے نام کا ذکر کیجئے اور رات کو بھی اس کے حضور سجدہ کیجئے اور رات کے طویل اوقات میں اسکی تسبیح کیجئے۔ کفار و مشرکین تو بس دنیا سے ہی محبت رکھتے ہیں اور بھاری دن روزِ آخرت کو پسِ پشت ڈال رہے ہیں۔ اللہ چاہے تو انہیں بدل کر کوئی اور انسان لے آئے۔ آخر میں یہ خاص بات بتائی جارہی ہے کہ

ہر چیز کا تذکرہ قرآن پاک کی شکل میں کر دیا گیا ہے اب جو چاہے اپنے رب کی طرف جانے والا راستہ اختیار کرلے۔ اللہ علم وحکمت والا ہے وہ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل فرمالے۔

77- سورۃ المرسلت

یہ سورۃ مبارکہ مکی ہے اس میں پچاس (50) آیات اور دو (2) رکوع ہیں۔ سورۃ مرسلت کا آغاز بھی دھیرے دھیرے چلنے والی، پھر زور پکڑنے والی، بادلوں کو اٹھا کر پھیلا دینے والی، پھر پھاڑ کر جدا کرنے والی ہواؤں کی قسم سے ہورہا ہے کہ یہی ہوائیں دلوں میں اللہ کی یاد اور خوف پیدا کرنے کا سبب بھی بنتی ہیں کہ جب آہستہ ہوا تیز و تند آندھی میں بدل جاتی ہے اور اکثر اوقات بالکل بند ہوجاتی ہے تو انسان اللہ ہی کیطرف رجوع کرتا ہے اور اس کے نقصانات سے بچنے اور اس کے فائدوں کے حصول کے لئے دعائیں کرتا ہے۔ بیشک وہ دن جس کا وعدہ کیا گیا ہے ضرور واقع ہو کر رہے گی۔ یہی دن فیصلے کا ہے سو جس نے اسے جھٹلایا اس کے لیے تباہی ہے۔

پچھلی سورہ قیامۃ کی طرح اس میں بھی قیامت کو جھٹلانے والوں کے لئے تباہی کا ذکر کیا گیا ہے کہ جس نے روزِ آخرت کو جھٹلا دیا اس کے لئے تباہی اور جس نے اس پر یقین کرلیا وہی اَمر ہونے والے ہیں۔

زمین و آسمان میں موجود نعمتیں یاد دلا کر انسان کو شکر گزاری کی تلقین کی گئی ہے۔ تا کہ اس دوزخ سے بچنے کا سامان ہو سکے جس کے شرارے محل جیسے بڑے ہونگے۔ اس دن انہیں کچھ بولنے اور عذر پیش کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ دوسرے رکوع میں متقین پر کیے جانے والے انعام واحسان کا ذکر ہے کہ وہ اس تباہی پھیلانے والے دن میں سایوں اور چشموں میں ہوں گے اور جو پھل چاہیں گے انہیں مہیا کیے جائیں گے کہ نیکوکاروں کا یہی اجر ہے۔ اختتام اس بات پر ہورہا ہے کہ انکار کرنے والوں کے لئے مزے اور چین کے چند دن ہیں پھر ابدی تباہی ان کا مقدر ہوگی یہ وہ تھے جنہیں اللہ کے آگے جھکنے کو کہا جاتا تھا تو یہ جھکتے نہ تھے۔ ❁

امام بوصیریؒ کا ہدیۂ عقیدت

۶۹۶ - ۲ھ

مُحَمَّدٌ سَيِّدُ الْكَوْنَيْنِ وَالثَّقَلَيْنِ وَالْفَرِيْقَيْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ
هُوَ الْحَبِيْبُ الَّذِىْ تُرْجٰى شَفَاعَتُهُ لِكُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحِمِ
مُنَزَّهٌ عَنْ شَرِيْكٍ فِىْ مَحَاسِنِهٖ فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِيْهِ غَيْرُ مُنْقَسِمِ
كَالزَّهْرِ فِىْ تَرَفٍ وَالْبَدْرِ فِىْ شَرَفٍ وَالْبَحْرِ فِىْ كَرَمٍ وَّالدَّهْرِ فِىْ هِمَمِ
كَاَنَّهٗ وَهُوَ فَرْدٌ فِىْ جَلَالَتِهٖ فِىْ عَسْكَرٍ حِيْنَ تَلْقَاهُ وَفِىْ حَشَمِ
وَمَنْ تَكُنْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ نُصْرَتُهٗ اِنْ تَلْقَهُ الْاُسْدُ فِىْ اٰجَامِهَا تَجِمِ
وَائْذَنْ لِسُحْبِ صَلٰوةٍ مِّنْكَ دَائِمَةً عَلَى النَّبِىِّ بِمُنْهَلٍّ وَّمُنْسَجِمِ

(قصیدۂ بُردہ سے ماخوذ)

منظوم ترجمہ / مفہوم

محمد مصطفےٰ سب کے دلوں کا چین صَلَّی اللّٰہ عرب ہو یا عجم ہو، سرورِ کونین صَلَّی اللّٰہ
اُنہی کی ذاتِ اقدس شافعِ روزِ قیامت ہے ہم اُسؐ کے اُمتی ہیں اس سے اُمیدِ شفاعت ہے
محاسن میں نہیں کوئی رسُولؐ اللّٰہ کا ہمسر کہ ہے ناقابلِ تقسیم حسن خاص کا جوہر
تر و تازہ شگوفہ نور کا مثلِ مہِ کامل بلندی آسماں جیسی تو بخشش بحرِ بے ساحل
خلیق و نرم اور لاکھوں پہ بھاری دبدبہ اس کا سراپا رحم اور شاہوں سے بڑھ کر مرتبہ اس کا
حبیبِ کبریا ہوں ضامنِ نُصرت تو ڈر کیا ہے جلالِ غازیانِ حق کے آگے شیرِ نر کیا ہے
حضورِ پاکؐ پر دائم سلام اے رحمتِ باری کہ اُن کے دم سے ہے فیضانِ عام اے رحمتِ باری

(نوائے بردہ از پروفیسر فرزند احمد مرحوم)

صحیفۂ ہدایت

مولانا ماہر القادری

☆ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہنمائی کے لیے انسانوں ہی میں سے ایسے مقدس نفوس کو منتخب فرمایا جو ہر اعتبار سے مکمل انسان تھے، جن کی دیانت و صداقت اور سیرت پر معاشرہ اعتماد رکھتا تھا۔ ان مقدس نفوس کو دین کی اصلاح میں نبی اور رسول کہتے ہیں اور ان کو جس ذریعہ سے ہدایت دی گئی اس کا نام "وحی" ہے۔ وحی میں نبی اور رسول کی اپنی کوشش اور تجربے کا ذرہ برابر دخل نہیں ہوتا۔ وہ مہبطِ وحی ہوتا ہے یعنی وحی اس پر نازل ہوتی ہے، وہ خود "وحی ساز" نہیں ہوتا۔

ہر دَور میں اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ اور مشیتِ کاملہ کے تحت انبیاء و رُسل آتے رہے۔ اُن میں سے بعض پر صحیفے اور کتابیں بھی نازل ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سیّدنا عیسیٰؑ کے کئی سَو سال بعد اس "انسان کامل ﷺ" کو مبعوث فرمایا جس پر دین کا اتمام کردیا گیا اور نبوت اور رسالت کے عہدے کو ختم کرکے اعلان فرمایا کہ یہ نبی ......احمد ﷺ، محمد مصطفیٰ ﷺ...... خاتم النبیین ہے، یعنی اب کسی قسم اور کسی نوع کا کوئی نبی، ظلی یا بروزی قیامت تک نازل نہیں ہوگا۔ نبوت اور رسالت کا منصب اب کسی اور کے لیے باقی نہیں رہا۔ قیامت تک کے لیے اسی نبی آخر کی لائی ہوئی ہدایت و شریعت۔ ہر اعتبار سے کافی و وافی ہے۔ اس میں نہ کوئی اضافہ ہوسکتا ہے اور نہ ترمیم۔ حضور خاتم النبیین پر جو کتاب نازل ہوئی اس کا نام "قرآن" ہے۔

جب تمام انبیاء آچکے اور کتابیں بھی نازل ہوچکیں اور چشمِ فلک ان کتابوں میں تحریف کا تماشا بھی دیکھ چکی، تو پھر اللہ تعالیٰ نے اس نبی کو بھیجا جو آخری نبی ﷺ تھا۔ جس کی ذاتِ گرامی پر نبوت و رسالت کا اختتام کردیا گیا۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں اور رسول آنے والے نہ تھا۔ اس لیے جو کتاب آپ ﷺ پر نازل فرمائی گئی۔ اس کی حفاظت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اللہ تعالیٰ کا قول اور وعدہ سچا ہی ہوا کرتا ہے۔

کلام محفوظ

سب سے پہلی بات غور کرنے کی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی جن حروف و الفاظ کے ساتھ نازل ہوئی آپ ﷺ نے حرفاً حرفاً اور لفظاً لفظاً ہو بہو اسی طرح اس کی تلاوت فرمائی۔ ساتھ ہی اس کو لکھوا بھی دیا اور بہت سے صحابہ نے اسے زبانی یاد بھی کرلیا۔ جب حضور ﷺ کی وفات ہوئی تو پورے کا پورا قرآن سفینوں اور سینوں میں محفوظ تھا۔ قرآن کریم میں ایسی آیتیں بھی ہیں جن میں کسی ترکِ اولیٰ پر رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی ہے۔ حضور ﷺ نے اس قسم کی آیتوں کو بھی بلفظہٖ تلاوت فرمایا۔ وہ انسانِ کامل، جسے اس کے دشمن "الامین" کہتے تھے اس نے کمال امانت کے ساتھ خالق کا کلام مخلوق تک پہنچا دیا۔

قرآن کریم سُورتوں کی جس ترتیب کے ساتھ آج دنیا میں پایا جاتا ہے۔ یہ ترتیب بھی رسول اللہ ﷺ کو وحی کے ذریعہ بتائی گئی تھی۔

اُمت نے نہ صرف قرآن کو سفینوں اور سینوں میں محفوظ رکھا بلکہ رسول اللہ ﷺ جس لب و لہجہ میں قرآنی آیات تلاوت فرماتے تھے اس لب و لہجہ کو بھی محفوظ کیا گیا۔ دنیا میں کوئی کتاب، صحیفہ، بیاض اور مخطوطہ قرآن کریم کی برابری تو کیا اس سے سینکڑوں درجہ کم تعداد میں بھی نہیں پڑھا جاتا۔ تنہا یہی وہ کتاب ہے جو دن رات میں پانچوں وقت کی نمازوں کے علاوہ دُوسرے اوقات میں بھی تلاوت کی جاتی ہے۔ اس کی معنوی تعلیم کے علاوہ اس کی قرأت و تجوید کی تعلیم کے لیے ہزاروں مدرسے دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ تنہا یہی وہ کتاب ہے جو تمام سے زیادہ مضامین، تحریروں تقریروں میں نقل و بیان کی جاتی ہے اور سال کے سال رمضان کے مہینہ میں کروڑوں مسلمان پورے قرآن کو حفاظ کی زبان سے سنتے ہیں۔

اعجاز در اعجاز

عربوں کو اپنی زبان دانی، شاعری اور فصاحت و بلاغت پر بڑا ناز تھا۔ وہ اپنے علاوہ ساری دنیا کو گونگا (عجمی) کہتے تھے۔ قرآن کریم نے ان عربوں کو چیلنج کیا کہ تم قرآن کی چھوٹی سے چھوٹی ہی جیسی ایک سورہ تصنیف کرکے پیش کردو، عربوں کی قومی اور آبائی غیرت کو یہ سب سے بڑا چیلنج تھا مگر اس چیلنج کے جواب میں انہیں سکوت اختیار کرنا پڑا۔

دنیا میں نظم و نثر کی کوئی ایسی قدیم و جدید کتاب نہیں ملتی جس کے کچھ محاورے، اصطلاحیں اور الفاظ متروک نہ ہوگئے ہوں، اور ان میں فرسودگی اور غرابت پیدا نہ ہوگئی ہو۔ ہاں، صرف قرآن کریم ہی وہ تنہا مقدس کتاب ہے، جس کا ایک لفظ بھی چودہ سو

سال کی طویل مدت میں متروک نہیں ہوا۔ عربی زبان وادب کا یہ وہ بلند ترین معیار ہے جس کے سامنے عربی ادب کی تمام شاہکار اور شہرہ آفاق کتابیں کم درجہ اور فروتر نظر آتی ہیں۔ قرآن کریم جس طرح اب سے چودہ سو سال پہلے لغت، الفاظ، طرزِ بیان اور مفہوم ومعنی کے اعتبار سے تروتازہ تھا، آج بھی وہ اسی طرح تروتازہ اور سدابہار ہے۔ اس گلکدہ کا ایک پتہ بھی خزاں رسیدہ نہیں ہوا اور اس کی ایک آیت اور ایک لفظ کو کروڑوں بار دہرانے کے بعد بھی وجدان ذرا سی اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا۔

تقریر وتحریر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں شعریت پیدا ہو جائے۔ شاعری کا زبان وادب میں بہت بلند مقام ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نبی ﷺ کو نہ تو ہم نے شاعری سکھائی ہے اور نہ شاعری اس کے شان کے شایان ہی ہے۔ یہ بھی قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ وہ شاعری نہ ہونے کے باوجود کمال درجہ کا حسین ودلکش، فصیح وسادہ، بلکہ سہلِ ممتنع کلام ہے۔

مردِ مومن کی تعریف کرتے ہوئے قرآن کریم کی معجزانہ نغمگی کی طرف لطیف اشارہ کر دیا ہے۔ قرآن کریم میں وہ مقدس نغمگی اور ایسا پاکیزہ آہنگ پایا جاتا ہے، جو شریفانہ جذبات کو حرکت میں لاتا ہے، قرآن کی نغمگی کے سامنے وہ راگ راگنیاں کوئی وزن نہیں رکھتی جنہیں سن کر آدمی کے اندر سفلی جذبات اور ہولناک خیالات حرکت میں آتے ہیں۔

قرآن کریم کی تلاوت وسماعت آنکھوں کو اشکبار بھی کرتی ہے اور لبوں پر موجِ تبسم بھی ابھار دیتی ہے۔ خشیت ومحبت کی ملی جلی کیفیت! اس مقدس کتاب میں وہ توازن پایا جاتا ہے جو آدمی کو رحمت و غفاریت کے سہارے غیر ذمہ دار اور فرض ناشناس نہیں ہونے دیتا۔ اور قہاریت اور انتقام کا تصور آدمی کو مایوس نہیں بناتا۔ قرآن کریم کا یہ بیان کس قدر نشاط انگیز ہے کہ بہشت کے قصر وایوان میں غلمان سونے کے تھال لیے ہوئے گردش کر رہے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی قرآن پاک میں یہ ہولناک منظر بھی ملتا ہے کہ دوزخ کی غضب ناک آگ مین لوگوں کے جسموں کی کھالیں بدلی جا رہی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے امید بھی، اس کا خوف بھی، بیم کے ساتھ رجا بھی، قرآنِ کریم انسان کو اس عالم میں رکھنا چاہتا ہے کہ جنت کی نشاط وشادمانی اور مغفرت کی امید اسے فرض ناشناس، ناشکرا، غافل اور کاہل نہ بنا دے اور انتقام وعقوبت، دارو گیر واحتساب اور جہنم کے عذاب کا ذکر سن کر آدمی ناامید نہ ہو جائے اور وہ ہاتھ پیر توڑ کر اور جی چھوڑ کر نہ بیٹھ جائے۔

مکمل نظامِ زندگی

قرآنِ کریم صرف دعاؤں اور مقدس زمزموں کی کتاب نہیں ہے کہ خلوصِ نیت وعقیدت کے ساتھ تلاوت کر کے جس کا حق ادا ہو جاتا ہے۔ یہ الکتاب ہے۔ جو زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہے اور حکومت کے ایوان سے لے کر فقیر کی جھونپڑی تک زندگی کا کوئی مرحلہ اس سے باہر اور آزاد نہیں ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ تے، جن پر قرآن نازل ہوا تھا۔ کم وبیش بائیس سال کی مدت تک جنگ ہو، صلح ہو، حکومت ہو، تجارت ہو، عائلی زندگی ہو، قرآنی احکام کو عملاً برت کر دکھایا۔

قرآن کریم کوئی خیالی کتاب نہیں ہے جس کے الفاظ کاغذ پر تو بھلے معلوم ہوتے ہیں مگر عملی دنیا میں ان الفاظ کی معنویت ساتھ نہیں دیتی۔ قرآن کریم مکمل ترین دستور حیات اور اللہ تعالیٰ کا نازل کیا ہوا آخری اور قطعی منشورِ زندگی ہے۔ یہ زندگی کے تجربوں کے مرحلوں سے گزرا ہے اور زندگی کے سفر میں قدم قدم پر قرآن زندگی اور فطرت سے انتہائی مربوط ثابت ہوا ہے۔ قرآن کریم میں زندگی سے گریز وفرار کا کوئی چور دروازہ یا پوشیدہ سرنگ نہیں ملتا۔ ترکِ دنیا اور رہبانیت کے علی الرغم قرآن کریم نے اس دعا کی تعلیم دی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے اس مادی دنیا کو حسین وخوبصورت یعنی صالح بنانے کی تمنا کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کا کارخانہ بچوں کے گھروندوں کی مانند کھیل کے لیے نہیں بنایا۔ یہ تو شعور وبصیرت کی تمام قوتوں اور توانائیوں کے ساتھ برتنے کے لیے خلق کیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مقدس میں قرآنی اخلاق کی بنیادوں پر معاشرہ استوار کیا گیا اور اس طرح قرآنی تعلیمات کو متشکل کر دیا گیا۔ معاشرہ راہبوں اور جوگیوں کا معاشرہ نہیں، فاتحوں اور کشور کشاؤں کا معاشرہ تھا۔ اس معاشرے میں صفہ کے فقرا اور مسکینوں سے زیادہ فاتحین بدر وحنین پائے جاتے تھے۔ قرآن کریم نے ان نفوس قدسیہ میں اس قدر جوش اور ولولہ پیدا کر دیا تھا کہ مٹھی بھر انسان قریش کے لشکر سے ٹکرا گئے اور چشمِ فلک نے دیکھ لیا کہ فتح ان بے سروسامان اور بوریا نشینوں ہی کی ہوئی۔

اس کے بعد خلافتِ راشدہ کے مبارک دور میں حاملین قرآن نے روم ومداین کی پرشکوہ سلطنتوں کے دھوئیں اڑا دیے۔ فتح مندی قرآن کریم کے ان عملی مفسرین کے قدم چومتی تھی اور شوکت واقبال ان کے گھوڑوں کی رکابیں تھام کر چلتے تھے۔ دنیا میں صداقت وامانت ان کے نام اور کام سے پہچانی جاتی

تھی۔ صحابہ کرام کو تمدن و معیشت کے کیسے کیسے نئے نئے اور پیچیدہ مسائل سے سابقہ پڑا مگر کتاب و سنت کی رہنمائی میں انہوں نے ہر مسئلہ کا حل تلاش کر لیا اور جنگ کے میدانوں ہی میں نہیں تمدن و تہذیب اور سیاست و معیشت کے محاذوں پر بھی غالب اور فتح مندر رہے۔

صحیفۂ ہدایت

قرآن کریم کی تنزیل کی اصل غایت ''ہدایت'' ہے۔ اس لیے اس مقدس کتاب کو رحمت اور نور بھی کہا گیا ہے۔ قرآن کریم کی ہر آیت نورِ ہدایت ہے۔ اس لیے قرآن کریم میں جہاں کہیں چاند ستاروں اور افلاک کا ذکر آ گیا ہے اس سے یہ سمجھنا درست نہیں ہے کہ قرآن علم ہیت پر کوئی مقالہ پیش کر رہا ہے۔ اسی طرح ہوا اور پانی کے ذکر کا علم موسمیات سے پیوند جوڑ دینا زمین کے بیان کو علم طبقات الارض سے نسبت دینا، ہریالی، کھیتی، پھول، پتوں اور درختوں کی تفصیل کو فنِ باغبانی اور فنِ زراعت کا ضمیمہ سمجھنا۔ علم قرآن میں غلط اندیشی کی دلیل ہے۔ جو لوگ قرآن کی ہمہ گیری اور جامعیت دنیا کے سامنے پیش کرنے کی نیت سے سائنسی علوم سے قرآن کریم کو مطابقت دینے کی کوشش کرتے ہیں وہ قرآن کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کرتے۔ اسی طرح بعض دوسرے علوم کے نظریے اور کلیے بنتے اور ٹوٹتے رہتے ہیں۔ اگر آج کسی علم و فن کا کوئی نظریہ اور کلیہ کھینچ تان کر قرآن کریم کی کسی آیت پر فٹ کر دیا گیا مگر کچھ زمانہ یا زیادہ مدت گزرنے کے بعد وہ نظریہ اور کلیہ انہی علوم کے ماہرین نے اپنے تجربہ اور تحقیق کی بنا پر رد کر دیا۔ اس وقت قرآن کریم کو مجروح ہونے سے بچانے کے لیے فن تاویل کی پناہ لی جائے گی؟ زمانہ کی ایجادات اور نت نئے تجربوں کا قرآن کریم سے جوڑ ملا دینا بڑا خطرناک کھیل ہے جسے وہی لوگ کھیلتے رہتے ہیں جو قرآنی بصیرت سے بڑی حد تک محروم ہیں۔

قرآن کریم میں جہاں بت تراشی کا ذکر آتا ہے یا ان لوگوں کا ذکر ہے جو پہاڑ کو تراش کر مکانات بنایا کرتے تھے تو اس اجمال سے یہ نکتہ پیدا کرنا کہ قرآن کریم کی ان آیتوں میں فن تعمیر سمویا ہوا ہے۔ قرآن فہمی کے ساتھ ایک طرح کا مذاق ہے۔ قرآن کریم کو تمام علوم و فنون کی انسائیکلوپیڈیا ثابت کرنے کی کوشش کرنے والے قرآن کو سخت امتحان میں ڈال رہے ہیں اور نکتہ چینوں کے لیے زمین ہموار کر رہے ہیں۔

قرآن کریم کی جامعیت اس اعتبار سے مسلم ہے کہ اس میں ہدایت کا ہر جامع عنوان پایا جاتا ہے اور جو مہارت و اصول ہدایت کے ہو سکتے ہیں وہ قرآن کریم میں موجود ہیں۔ اخلاق و تقویٰ کی مکمل ترین تعلیم اس مقدس صحیفہ میں ملتی ہے۔ اس لیے حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا تھا کہ ''ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے۔''

قرآن کریم صرف صلوٰۃ، زکوٰۃ، روزہ اور حج ہی کے مسائل نہیں بتاتا بلکہ وہ حکومت، تجارت، معاشرہ، عائلی زندگی اور اسی طرح زندگی کے دوسرے شعبوں کو بھی اصول اور قوانین دیتا ہے۔ قرآن کریم بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح تکوینی رب ہے۔ اسی طرح تشریعی رب بھی ہے جس طرح عالم تکوین میں اس کا حکم چلتا ہے۔ اسی طرح شریعت میں بھی اس کے حکم کو قطعیت حاصل ہے۔ جس طرح نماز میں اللہ تعالیٰ کے حضور مسلمان کا سر جھکتا ہے۔ اسی طرح پوری زندگی کو اللہ تعالیٰ کے احکام و ہدایت کے آگے سر تسلیم خم کر دینا چاہیے۔

یہ ہے قرآن کے منشورِ حکومت و سیاست کی وہ پہلی دفعہ جو اس بات کو واضح کرتی ہے کہ اصل حاکمیت اور حکومت اللہ تعالیٰ کی ہے اور انسانوں کی حکمرانی اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے تابع ہونی چاہیے۔ پھر قرآن کریم نے ''مشاورت'' کی ہدایت دے کر دنیا کو ''شورائیت'' کا رہنما اصول دیا۔

جس ملک میں بھی مسلمانوں کو غلبہ، اقتدار اور حاکمیت حاصل ہو اور وہاں کا حکمران طبقہ اقامتِ صلوٰۃ اور تنظیم زکوٰۃ سے غافل ہو اور امر بالمعروف نهی عن المنکر کا فریضہ انجام نہ دیا جا رہا ہو، اس جگہ حکومت صحیح ہاتھوں میں نہیں ہے۔ وہ جو ہر عہدہ اور منصب کے لیے کچھ صفات ضروری ہوتی ہیں، مندرجہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلم حکمرانوں کی صفات بیان فرمائی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ کی زمین صالحین کا ورثہ ہے۔ اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دنیا کے جن خطوں پر بھی غیر صالحین یعنی فساق و فجار کا قبضہ اور عمل دخل ہے وہ لوگ دراصل غاصب ہیں، اس لیے اس بات کی مسلسل جدوجہد ہوتی رہنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی زمین غاصبوں کے قبضہ سے نکل کر زمین کے جائز وارثوں یعنی صالحین کے قبضہ میں آ جائے۔

قرآن کریم نے انسان کی عزت و تکریم کا معیار ''تقویٰ'' مقرر فرما کر حسب نسب، حکومت، دولت، ظاہری حسن و وجاہت اور دوسری تمام اضافی خوبیوں کو پست اور فروتر قرار دے دیا ''تقویٰ'' کو ہر عز و شرف اور حسن و خوبی سے برتر اور بلند تر ٹھہرایا گیا۔ حاکمیت، صالحیت اور تقویٰ کی یہی وہ قرآنی تعلیم تھی، جس کے تحت حضرت سیدنا حسینؓ نے یزید کی بیعت سے انکار فرما کر اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا

سب کچھ قربان کر کے، حق گوئی، سرفروشی اور باطل کے مقابلہ میں استقامت و عزیمت کی ایک روشن مثال قائم فرما دی۔

قرآنِ کریم نے سُود اور قمار کو حرام قرار دے کر سرمایہ داری اور ہوسِ زر کا مٹھ مار دیا۔ شراب، جو "ام الخبائث" ہے۔ قرآن نے اُسے رِجس " مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ " کہا۔ عورت جو معاشرے میں آزادانہ اختلاط کے سبب بہت بُرے فتنہ کا باعث بن جاتی ہے۔ اس کی عصمت و عفت کے لیے جلباب و خمار کے حصار قائم کیے۔ اس کو مقام زینت کی نمود و نمائش اور تبرج جاہلیت سے روکا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج یعنی اُمہات المومنین کو براہِ راست اور تمام مسلم خواتین کو تبعاً حکم دیا کہ وقار کے ساتھ گھروں میں بیٹھیں اور کسی نامحرم سے گفتگو کرنے کی ضرورت پیش آ جائے تو دو بدو اور رو برو، نہیں، پردے کی آڑ میں گفتگو کریں اور بات کرنے میں ایسا لہجہ پیدا نہ ہونے دیں جس سے سننے والا غلط قسم کی کوئی اُمید اپنے دل میں قائم کر لے۔

تفہیم و تاویل

قرآنِ کریم میں بار بار عقل و بصیرت سے کام لینے اور ذہن و فکر کی توانائی کو صرف کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ قرآن میں کسی مقام پر بھی عقل کی اہمیت کی نفی نہیں فرمائی گئی۔ عقل اللہ تعالیٰ کا عظیم عطیہ ہے۔ اس کو معطل و بیکار کس طرح رکھا جا سکتا ہے۔ مگر اس نقطہ کو ذہن میں رکھیے کہ قرآن میں غور و فکر کی دعوت اس لیے دی گئی ہے کہ قرآن جن حقائق اور اصول و احکام کو پیش کرتا ہے ان پر ایمان پختہ سے پختہ تر ہو جائے۔ عقل کو دراصل وحی الٰہی کا تابع ہونا چاہیے شیطان نے اللہ تعالیٰ کے الٰہ ہونے سے انکار نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس کا سارا قصور یہ تھا کہ اس ظالم نے عقل کو حکم الٰہی کے تابع کرنے کی بجائے عقل کو حکم الٰہی پر ترجیح دے کر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلہ میں عقلی قیاس سے کام لیا اور حکم الٰہی کی نافرمانی کرنے کے جرم میں اسے ملعون و مردود قرار دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے بے چون و چرا سرِ تسلیم خم کر دینا عقل و دانائی کی بات ہے۔ جو عقل صحیح اور متوازن ہوگی اسے قرآن کے کسی لفظ اور حرف میں کسی قسم کا کوئی شک دکھائی نہیں دے سکتا۔

قرآنی فکر

قرآن کریم میں دو طرح کی آیات ملتی ہیں۔ ایک وہ جن کو "محکمات" فرمایا گیا ہے اور یہی "ام الکتاب" یعنی کتاب اللہ کی اصل بنیاد ہیں۔ دوسری آیات "متشابہات" ہیں۔ ان کے بارے میں خود قرآن کہتا ہے۔

"جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنہ کی تلاش میں متشابہات کے پیچھے سدا پڑے رہتے ہیں اور ان کو معنی پہنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بخلاف اس کے جو لوگ علم (دین) میں پختہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمارا ان پر ایمان ہے یہ سب ہمارے رب ہی کی طرف سے ہے۔"

ربط و نظم

قرآن کریم مصنفوں کی لکھی ہوئی کتابوں اور اہل قلم کے مرتب کیے ہوئے مجموعوں کی طرح کوئی کتاب نہیں ہے۔ جن میں عنوانات ہوں اور ہر عنوان کے تحت ذیلی ابواب اور حواشی ہوں اور جب ایک مضمون ختم ہو جائے تو پھر دوسرا شروع کیا جائے۔ قرآن کا انداز بیان تحریری و تصنیفی نہیں، تقریری ہے۔ جو لوگ عام تصانیف و تالیف پر قرآن کریم کا قیاس کر کے اس کا مطالعہ کرتے ہیں، انہیں قرآن کریم کی آیتوں اور مضامین میں بے ربطی محسوس ہوتی ہے۔ قرآن کریم اس قسم کی تصنیف سرے سے ہے ہی نہیں۔

نظم قرآن کا محور یہ ہے کہ اس کتاب بے مثال میں بار بار اور جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور شان خلاقیت کا ذکر ہے۔ قرآن بار بار آخرت کے محاسبہ کی یاد دلاتا ہے۔ وہ ان لوگوں کا بھی ذکر کرتا ہے جن پر اللہ کا انعام ہوا ہے اور ان کا بھی جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا۔ کسی فرد یا قوم کا ذکر ہو، آثار مشاہدات کی تفصیل ہو، معاشرے کے لیے کسی قانون و حکم کی تنفیذ کا اعلان ہو، ہر موقع پر قرآن کریم ذہنِ انسانی کو یاد دلاتا اور چونکاتا رہتا ہے کہ۔

☆ اللہ تعالیٰ اس کا خالق اور ربّ ہے۔

☆ انسان کو دنیا میں وہ زندگی گزارنی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

☆ اس دنیوی زندگی کے اعمال کی بنا پر آخرت میں سزا و جزا ملے گی۔

قرآن کریم کا ہر مضمون اسی دعوت کے ارد گرد گردش کرتا ہے اسی کی جگہ جگہ تکرار کی گئی ہے اور یہی "تذکیر" اس دعوت کا عمود اور مرکزی نقطہ ہے۔

قرآن اور معلّم قرآن

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم لکھا لکھایا یا مکہ کی کسی پہاڑی پر یا درخت پر نہیں رکھوایا تھا، بلکہ اسے نجماً نجماً حضرت سیدنا محمد (ابن عبداللہ) ﷺ پر نازل فرمایا اور اس نزول کے ساتھ صاحب قرآن اور مہبط وحی الٰہی کا جو منصب تھا۔ اس کا ذکر بھی قرآن ہی میں کر دیا گیا۔ یہ کہ:

"درحقیقت اہلِ ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے

ایسا پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے، ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے۔ اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔"

دنیا کے قدیم وجدید طریقہ تعلیم میں ہر معلم جس کسی کتاب کی تعلیم دیتا ہے تو وہ یہ نہیں کرتا کہ اپنی طرف سے کتاب کی شرح وتفصیل میں کچھ نہ کہے۔ بلکہ کتاب کی اصل عبارت کو دہراتا رہے۔ کتاب کی تعلیم کے معنی ہی یہ ہیں اور یہی تعلیم کی غرض وغائیت ہے کہ معلم جن مقامات کی مناسب سمجھتا ہے شرح کرتا جاتا ہے اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ طلبا اور شاگرد بھی کتاب کے بارے میں استاد سے سوال کرتے ہیں وہ ان کے جواب دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کو کتاب وحکمت کی تعلیم کے منصب پر مامور فرمایا تھا۔ اس منصب کی ذمہ داریوں کو حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی کی حیثیت سے انجام دیا۔ حضور کے اس منصب کو ذہن میں رکھ کر نطق رسول کے بارے میں قرآن کا فیصلہ سنیے:

"(یہ نبی) اپنے (نفس کی) خواہش سے کلام نہیں کرتا۔ اس کا کلام تو وحی ہوتا ہے۔"

تلاوت قرآن، تزکیہ نفس اور کتاب وحکمت کی تعلیم وہ فرائض اور ذمہ داریاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو تفویض کی گئی تھیں اور قرآن کریم نطق رسول کو وحی کہتا ہے۔ یعنی جو زبان کتاب اللہ کی تلاوت کرتی تھی۔ وہی زبان کتاب اللہ کی تعلیم بھی دیتی تھی اور قدیم اور جدید طریق تعلیم میں کتاب کی تعلیم سے مراد کتاب کے مضامین کی شرح وتفصیل ہی ہوتی ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے کتاب وحکمت کی جو تعلیم دی وہ بھی وحی الٰہی ہے اور چونکہ کتاب وحکمت کی تعلیم کا فریضہ حضور ﷺ نے نبی ہونے کی حیثیت سے انجام دیا ہے اس لیے وہ منصوص ہے اور اس کی اطاعت امت پر فرض ہے۔

جس اللہ نے قرآن کو نازل فرمایا اور جس ذات گرامی پر نازل فرمایا۔ اسی اللہ نے رسول اللہ ﷺ کے نطق کو وحی الٰہی کہا کتاب وحکمت کی تعلیم اس کو تفویض کی گئی اس کے اسوۂ حسنہ کو معیار حق اور انسانیت کے لیے نمونہ عمل قرار دیا اور اس کی اطاعت کو منصوص ٹھہرایا۔ قرآن کی واضح ہدایت کے بعد جو کوئی سنت رسول ﷺ کو دین میں حجت نہیں مانتا وہ دراصل منصب نبوت کا انکار کرتا ہے اور منصب نبوت کا انکار کفر ہے۔

اس صورت حال کو سمجھ لینا چاہیے کہ قرآن کریم جن لفظوں میں نازل ہوا ہے۔ یہ الفاظ اگرچہ نطق رسول سے ادا ہوئے ہیں مگر اس میں حضور ﷺ کی کوشش اور ارادے کا کوئی دخل نہیں ہے۔ ایک ایک لفظ وحی ہے مگر احادیث کا معاملہ یہ ہے کہ معانی اللہ کی طرف سے وحی ہوئے ہیں۔ لیکن ان وحی شدہ معانی کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے لفظوں میں ادا فرمایا ہے۔ اس لیے احادیث کو "وحی غیر متلو" کہا جاتا ہے مگر وحی متلو اور وحی غیر متلو دونوں دین میں حجت ہیں۔

قرآن کے ساتھ سلوک

کوئی شک نہیں، قرآن کریم ایک مقدس قانون اور متبرک دستور ہے جس پر عمل کرنا تو منصوص ہے ہی، اس کا پڑھنا اور سننا بھی ثواب ہے۔ جو اہل ایمان قرآن کے معنی جانے بغیر یا ناظرہ سے پڑھتے اور سنتے ہیں وہ بھی ثواب کے مستحق ہیں، مگر قرآن کریم اللہ تعالیٰ نے سمجھ کر پڑھنے، غور کرنے اور عمل کرنے کے لیے نازل فرمایا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے دردمندی کے لہجہ میں فرمایا تھا کہ "دنیا میں سب سے زیادہ مظلوم کتاب "قرآن" ہے کہ مسلمان اسے بے سمجھے پڑھتے ہیں۔"

قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے کلام کی تقدیس کا تصور ذہن و فکر میں جمانا چاہیے، قرآن مجید کی آیتیں ٹھہر ٹھہر کر پڑھنی چاہئیں۔ پورے قرآن کو ایک دن میں بغیر سمجھے ختم کر دینے کے مقابلہ میں ایک رکوع سمجھ کر اور عمل کرنے کی نیت سے پڑھنا زیادہ فائدہ مند ہے۔ جن آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مغفرت کی اور جنت کی بشارت دی ہے ان کو تلاوت کرتے ہوئے زبان سے یا دل ہی دل میں اللہ سے دعا مانگنی اور تمنا کرنی چاہیے کہ اس بشارت کی سعادت ہمیں بھی میسر آجائے۔ جن آیتوں میں عذاب آخرت سے ڈرایا گیا ہے اور عذاب جہنم کا ذکر آیا ہے ان کو پڑھتے وقت خوف واندیشہ کی کیفیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنی چاہیے۔ دل میں تڑپ، گداز، خلوص، لگن، سوز و درد اور خشیت الٰہی ہو تو قرآن کی تلاوت کے دوران آنکھیں ضرور اشکبار ہو جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جن آیتوں میں اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے ان کی تلاوت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہے اور رات کو سوتے وقت اپنی زندگی کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ قرآن کریم نے اخلاق و نیکوکاری کو جو معیار پیش کیا ہے۔ اس معیار سے ہماری اپنی زندگی کس کس جزئیہ اور مرحلہ میں مطابقت نہیں کرتی۔ اس جائزے اور احتساب کے بعد اس کی پوری پوری جدوجہد کرنی چاہیے کہ ہماری زندگی میں قرآنی اخلاق زیادہ سے زیادہ جھلکنے لگیں...... یہاں تک کہ ہم......

یہ بات کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن
کا مصداق بن جائیں۔ ❁

قرآن کریم اور ہماری زندگی

ایس جی رانا

☆ قرآن ہی دنیا کی وہ واحد کتاب ہے جو کائنات کے مالک و خالق نے تیئس سال کے عرصہ میں حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اُتاری اور اس کی حفاظت کا ذمہ لیا فرمایا اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ''یہ ذکر ہم نے نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے حفاظت کنندہ ہیں۔ پھر فرمایا لَا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الۡمُطَہَّرُوۡنَ ''یہ پاک کتاب ہے اسے گندے ہاتھوں مت چھوؤ''

آج چودہ سو سال سے زیادہ کا عرصہ گذر چکا ہے یہ معجزاتی کتاب نہ بدلی نہ پرانی ہوئی بلکہ ہر روز دنیا کے سامنے سوچ وفکر اور تعمیر وارتقاع کے نئے ابواب کھولتی ہے ترقی کی منازل طے کرواتی ہے۔ ایجادات کا باعث بنتی ہے زمین سے پاتال کی گہرائیوں تک عقدے وا کرتی ہے۔ آسمان کی بلندیوں اور رفعتوں میں نئی دنیائیں تلاش کرواتی ہے۔ یہ عجب کتاب ہے کہ اس میں اور اس کی تعلیمات میں ذرا شک وشبہ نہیں۔ ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ۔ یہی وہ کتاب ہے جس نے زندگی کے ہر پہلو کے بارے میں تعلیم دی۔ بولنے کے بارے میں ہدایت فرمائی۔ قُوۡلُوۡا لِلنَّاسِ حُسۡنًا لوگوں سے اچھی بات کہو۔ نرمی اور محبت سے نہ صرف اپنی زندگی آسان بناؤ بلکہ دوسروں کو بھی آسانی دو۔

ناپ تول کے بارے میں فرمایا ''ناپ تول کے وقت اپنے ترازو سیدھے رکھو۔'' اور لوگوں کا نقصان نہ کرو۔ ساتھ ہی ساتھ یہی تعلیم جج اور منصف کے لیے بھی ہے۔ وہ استاد اور گھر کے سربراہ کے لیے بھی ہے۔ فوج و پولیس کے افسران کے لیے بھی ہے۔ عالم دین اور حکمران کے لیے بھی ہے۔ عدل ایک بہت بھاری ذمہ داری ہے۔ فرمایا:

''اے ایمان والو انصاف پر قائم ہو جاؤ۔ اللہ کے لئے گواہی دو خواہ وہ اپنے خلاف ہو والدین یا رشتہ داروں کے خلاف۔'' (النساء:۱۳۵)

دل پر ہاتھ رکھ کر قسم کھایئے کہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ افسوس! ہم میں تو یہ ہمت ہی نہیں یہ وصف ہی نہیں کہ اپنا آپ سزا کے لیے پیش کریں۔ یا اپنوں کو انصاف کے کٹہرے میں کھڑا کریں۔ آج رسوائی کا خوف اور سٹیٹس سمبل ہماری آنکھوں پر ایک پردہ نہیں بلکہ ذہن پر ہزاروں پردے گرا چکا ہے، ہم دیکھ کر بھی نہیں دیکھتے جان کر بھی نہیں جانتے ہم تو شرالدّواب ہیں جو اللہ کے فرمان کے مطابق جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ یقین جانئے جب نیکی کا حکم دینا اور بدی سے روکنا بند ہو جائے تو عالم و جاہل برابر ہو جاتے ہیں انسان اور حیوان برابر ہو جاتے ہیں۔ ایک اور جگہ فرمایا ''خواہشات کی پیروی نہ کرو۔''

آج بڑے بڑے محلوں جیسے گھر، نوکر چاکر، گاڑیاں نمود و نمائش زر و جواہر کے ڈھیر چیخ چیخ کر کہہ رہے ہیں اے مسلمانو! تم غرض کے بندے ہو تم ہوا و حرص کے بندے ہو۔ تجوریاں بھر رہی ہیں اسلام گھٹ رہا ہے۔ دین سے محبت کم ہو رہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''ہر امت کا ایک فتنہ ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔'' سورہ نساء پارہ چار (4) آیت نمبر ترانوے (93) میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اور جس نے کسی مومن کو عمداً قتل کیا تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اس پر اللہ کا غضب اور لعنت ہو گی اور اس کے لیے اللہ نے زبردست عذاب تیار کر رکھا ہے۔ آج اخبار اٹھا کر دیکھ لیں قتل جیسا گھناؤنا جرم ابرو کی ایک ہلکی سی جنبش یا ہوا کے ایک بے وقعت جھونکے کے برابر ہو کر رہ گیا ہے جو انسانی زندگی کی اہمیت اور عظمت کو روند چکا ہے۔ دن رات اکیلے دوکیلے انسان بھی قتل ہو رہے ہیں اور اعلانیہ ظالمین وکافرین بھی نہتے اور کمزور مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیل رہے ہیں۔ اپنے آپ کو تہذیب کے ٹھیکے دار کہلانے والے انسانوں کا وہ حشر کر رہے ہیں کہ ہلاکو، چنگیز خان اور ہٹلر بھی شرمائیں۔ بنی اسرائیل کی آیت ہے ''تمہارے رب نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ'' آج مسلمان اللہ کے سامنے صرف دکھ اور تکلیف میں جھکتے ہیں اور ضرورتاً اسے پکارتے ہیں۔ غرض و ہوس نے ہزاروں بت تراش رکھے ہیں جو دلوں کے صنم خانوں میں اللہ کے ذکر و فکر سے دور کرتے ہیں والدین تو ان کے نزدیک صرف اشیاء ضرورت بہم کرنے والے کارندے ہیں اولاد ان کا ادب اور حکم کی بجا آوری بھول چکی ہے چہ جائیکہ ان کے آگے ادب سے جھکی رہے آپ اور میں ہزاروں ایسے بچوں کو جانتے ہیں جو آج بڑے بڑے ناموں اور عہدوں سے جانے جاتے ہیں۔ مگر والدین کی ان کی زندگیوں میں کوئی جگہ نہیں کوئی گنجائش نہیں۔

سورہ الحجرات میں فرمایا گیا ''اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو۔'' آج صرف بات اڑانے کا دور ہے اپنے سے دوسرے کو کم سمجھنے کا، دوسروں کی ہنسی اڑا کر مزہ لینے کا لیکن ذرا سوچئے یہ وقت تو گزر جائے گا۔ کل کیا ہو گا رب کے سامنے۔ سورہ الحجرات میں ہی ایک جگہ فرمایا گیا ہے ''اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو ان میں صلح کرا دو۔''

آج مسلمان ایک دوسرے کو لڑانے فتنہ و فساد بھڑکانے کا کام کر رہے ہیں۔ صرف انہیں اپنے دنیاوی فائدے سے غرض ہے دوسروں کی جان مال، آبرو داؤ پر لگے تو لگے انہیں اس سے غرض نہیں، مصلح اور ثالث بننا تو کسی کا مطمع نظر و مقصد نہیں۔

کہنے کو ابھی بہت کچھ باقی ہے۔ اللہ کا سارا کلام امثال سے بھرا پڑا ہے۔ یہ کلام سراسر حیات کو جلا دیتا ہے زندگی کے راستے ہموار کرتا ہے تکالیف اور دکھ سمیٹتا ہے دین و دنیا سنوارتا ہے۔ بیماریاں رفع کرتا ہے۔ بگڑی بناتا ہے۔ ناؤ ڈوبی تیراتا ہے۔ صرف یقین کامل شرط ہے۔ قرآن پڑھیئے اسے سمجھیئے، اسے سمجھایئے۔ دیئے سے دیا جلایئے کہ حدیث پاک ﷺ ہے کہ ''جسے علم کا ایک لفظ آتا ہو وہ اسے دوسروں تک پہنچائے'' ❀

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ

پیر غلام رسول شاہد (شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ)

☆ جس طرح پھول اور پھل اپنے درخت کی پہچان ہوتے ہیں اسی طرح انسان کے اخلاق، اُسکے ایمان اور کردار کے گواہ ہوتے ہیں انسان چونکہ تعقل پسند حیوان ہے اور اپنے خصائل واعمال کی بنیاد عقل پر رکھنا چاہتا ہے اسلیئے بیشتر دانشوروں بالخصوص مغربی فلسفیوں کی طرح کفار مکہ نے بھی اخلاق کو باطنی طینت اور تطہیر نفس کی بجائے فلسفے اور عقل و علمیت کا حصہ سمجھا ۔ یوں مبالغہ آرائی ، جھوٹی مسکراہٹ، ہوشیاری، چالاکی، خوشامد، چاپلوسی اور زبانی جمع تفریق سے دوسروں کا دل جیتنے اور انہیں اپنے مطلب پر قائل کرنے کو بہتر اخلاق سمجھتے رہے شاید یہی وجہ تھی کہ انہوں نے حضور سرور کائنات احمد مجتبیٰؐ کے اخلاق عالیہ، اُن کی شرافت و صداقت اور رب کریم کی اطاعت اور عبادت کو جنون سمجھا جس کے جواب میں اللہ ربُّ العزت نے سورۃ القلم میں اعلیٰ اخلاق کا معیار ہی حضور اقدسؐ کی ذات گرامی کو قرار دے دیا اور فرمایا: ''بیشک حضور سرورِ کائناتؐ اخلاق کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز ہیں ۔'' اور آپؐ کی حیاتِ مبارکہ کا ہر گوشہ اخلاق حسنہ کی اعلیٰ مثال ہے۔

اخلاق کے حوالے سے یہودی فلاسفر سپائی نوزا نے انسان کو نفس پرست قرار دیتے ہوئے فلسفۂ اخلاق کو انسانی خواہشات اور تحفظِ ذات تک محدود رکھا۔ یوں اُسکا فلسفۂ اخلاق صرف ایک سوال کے گرد گھومتا ہے کہ انسان تحفظِ ذات اور انانیت پسندی کے حوالے سے کمال تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔ سپائی نوزا کے نزدیک ایثار وقربانی کے جذبے لغو اور بے معنی ہیں جو انسان صرف اپنی ذاتی تشفی کیلیئے استعمال کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ سپائی نوزا کے پیروکار بالخصوص یہود وھنود کی تمام زندگی خودغرضی اور خود ساختہ انانیت کے گرد گھومتی ہے۔

برطانوی فلاسفر جوزف بٹلر جو ایک پادری تھا۔ عقل کو **اخلاق کا مرکز قرار** دیتا ہے۔ اُسکے نزدیک انسانی ذہن **ایک گھڑی کی مانند** ہے، جس میں مختلف جبلتیں **اور اصول ہیں مگر** وہ سب مختلف ومتضاد ہونے کے باوجود **آپس میں مربوط ہیں**۔ بٹلر کے نزدیک کوئی بھی خواہش **بذاتِ خود بُری نہیں** ہوتی۔ البتہ اُسکا حد سے تجاوز کرنا **برائی ہے**۔ **اُسکے** نزدیک ہر وہ فعل جو فطرت کے **مطابق ہو وہ نیکی ہے** اور ہر وہ کام جو فطرت کے **خلاف ہو وہ برائی ہے**۔ دوسری طرف ڈیوڈ ھیوم کے نزدیک **اخلاقیات کا مرکز** لذت اور خوشی ہے لیکن ڈیوڈ خود ساری **عمر تشکیکی رویہ کا** حامل رہا اور اپنا قطعی نقطۂ نظر مرتے **دم تک ثابت** نہ کر سکا ہی وہ یہ سمجھا سکا کہ لذت اور خوشی سے مراد اپنی ذات کی خوشی ہے، اپنے کسی چاہنے والے کی **یا معاشرے** کی؟۔ نتیجتاً آج یورپ کی بیشتر آبادی اخلاقیات کے حوالے سے تشکیک وتذبذب کا شکار ہے بلکہ درست بات تو یہ ہے کہ اندرونی طور پر یورپ کا اخلاقی دیوالیہ نکل چکا ہے۔

جرمن فلاسفر کانٹ فرضیت کے احساس اور عقل کو اخلاق کی بنیاد قرار دیتا ہے اور احساسات کو اخلاقی دنیا سے الگ سمجھتے ہوئے اسے کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ جبکہ اسلام اپنا مکمل، مستقل بالذات اخلاقی نظام رکھتا ہے۔

انسان کے اندر فطری حِس بعض صفات کو پسند اور بعض کو ناپسند کرتی ہے البتہ دنیا کے تمام معاشرے جس شے پر متفق نظر آتے ہیں وہ حُسن اخلاق ہے۔

ہر تہذیب وتمدن میں سچائی، عدل وانصاف، عہد کی پاسداری امانت ودیانت، صبر وتحمل، عفو ودرگزر، استقلال وبردباری، شجاعت وبہادری، فرض شناسی، وفا شعاری کو ہمیشہ تعریف کا مستحق سمجھا گیا۔ اور جھوٹ، ظلم قتل وغارت، چوری چکاری، جھوٹ وفریب، مکاری اور عیاری، بدعہدی، بے حیائی، بدنظمی، خودغرضی، سنگدلی، بخل اور تنگ نظری، بے صبری، چھچھورے پن، بزدلی، کم ظرفی، بدتمیزی، کام چوری اور غیر ذمہ دارانہ رویوں کو کبھی اچھی نگاہ سے نہ دیکھا گیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعلیٰ اخلاق وہ عالمگیر حقیقت ہے جسے قرآن حکیم میں نیک اعمال، ''عمل الصالحات'' کہا گیا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

''نیکی صرف یہ نہیں کہ تم مشرق اور مغرب کیطرف منہ کرلو ہاں اصل نیکی یہ ہے کہ ایمان لایا جائے اللہ اور یوم آخرت اور فرشتوں اور کتابوں اور پیغمبروں پر۔ اور مال دیا جائے اللہ کی محبت میں اور حق ادا کیئے جائیں اپنے والدین رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں۔ راہ گزینوں اور سائلوں کے اور گردنیں چھوڑانے میں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں اور اپنا قول پورا کریں جب عہد کریں، اور صبر والے مصیبت اور سختی میں اور جہاد کے وقت۔ وہی تو ہیں جو صادق ہیں اور متقی۔'' (البقرہ)

یوں قرآن کی رو سے اخلاق حسنہ کی بنیادی **تعریف ایمان اور نیک اعمال یعنی** حقوق کی خوشی کیساتھ ادائیگی ہے۔ **ہر انسان صبح** وشام جو اعمال کرتا ہے ان کا تعلق **یا صرف اپنی ذات** سے ہوتا ہے یا اللہ تبارک وتعالیٰ سے **یا مخلوق خدا** سے انسان کے وہ

افعال جن کا تعلق اُسکی اپنی ذات سے ہو حقوق ذاتی یا حقوق نفسی کہلاتے ہیں وہ افعال جن میں ان کا واسطہ اللہ رب العزت سے ہو وہ حقوق اللہ اور وہ افعال جن کا تعلق معاشرے کے دیگر افراد سے ہو وہ معاملات یا حقوق العباد کہلاتے ہیں۔ ''ان حقوق یعنی حقوق نفسی ، حقوق اللہ اور حقوق العباد کو انسان جس طریقے اور نہج سے ادا کرتا ہے اسکا نام اخلاق ہے۔'' مثلاً اگر کوئی شخص ان حقوق کی ادائیگی نرمی، خوش اسلوبی اور خوشی سے ادا کردے تو وہ خوش خلق کہلائے گا اور اگر کوئی شخص یہ حقوق سختی، درشتی ، تنگ نظری، بدسلوکی، کراہت سے ادا کرے یا سرے سے ادا ہی نہ کرے تو وہ بداخلاق اور ظالم ہوگا۔ ہر انسان، خاندان، قوم اور قبیلے کا ان حقوق سہ گانہ کو ادا کرنے کیلئے کوئی طریقہ یا دستور ہوتا ہے۔ یہ دستور جس قدر جامع اور قوم کے ذہنی، جسمانی، قلبی و روحانی مقتضیات کے مطابق اور نقائص سے پاک ہو وہ قوم اتنی ہی طاقت ور اور خوشحالی ہوتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ اُس قوم کے تمام افراد اس دستور کو خوش دلی سے اپنائیں اور اسی کے مطابق زندگی گزاریں۔ جیسا کہ ہم مسلمانوں کا اصل دستورِ زندگی اللہ تبارک و تعالیٰ کی عطا کردہ الہامی کتاب قرآن مجید ہے جو مکمل ترین اور بے نقص دستور ہے۔

ہم مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے والوں اور نماز میں

اَلتَحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَصَّلٰوتُ وَ الطَّیِّبٰتُ

پڑھنے والوں کو اس بات کا یقین محکم ہونا چاہئے کہ اللہ جس نے تمام مخلوق کو پیدا کیا وہی ہم سب کا رب، مالک اور الہ ہے۔ زندگی و موت سب خدا کے ہاتھ میں ہے اس لیے اللہ کی محبت، اطاعت، شکر اور خوف ورجا کو اپنے دل میں بسایا جائے۔ یعنی ان تمام احکام پر کما حقہٗ عمل کیا جائے جو حقوق اللہ، حقوق نفسی اور حقوق العباد کے حوالے سے قرآن کریم میں مذکور ہیں۔

قرآن حکیم ہر زمانے کے ہر انسان کیلئے مکمل ضابطۂ اخلاق ہے، جس کی بنیاد عقیدۂ توحید و رسالت اور آخرت پر یقین ہے۔ عبادات، معاملات اور حسن معاشرت سب کا محور و مرکز عقیدہ توحید ہے۔ قرآن کی رو سے انسان کی تخلیق کا مقصد اللہ کی عبادت و بندگی ہے۔ نماز برائیوں سے روکتی اور سلامتی کا خزینہ ہے تو زکوٰۃ فلاح و بہبود کی کنجی، روزہ طہارت و تقویٰ اور تزکیۂ نفس کا ذریعہ ہے توحج بیت اللہ شریف روحانی بالیدگی کا ضامن! قانون حلال و حرام، انسان کی حفاظت اور امن و سلامتی کیلئے عطا ہوئے اور حسنِ معاشرت تو نام ہی ایک پر امن اور خوشحال معاشرے کا ہے۔ حقوق نفسی کے حوالے سے حکم الٰہی ہے کہ

وَ لاتُلْقُوْبِاَیْدِیْکُمْاِلَیاتَّهْلُکَةِ

''کہ اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو''۔

یعنی اس کی حفاظت کرو نفس کی تربیت تو لازم ہے مگر ہلاکت درکار نہیں! سچائی، صبر و شکر، عفو و درگز، ایثار و قربانی، حسنِ سلوک، عدل و احسان، امانت و دیانت ،ایفائے عہد اور دعوت الی اللہ یعنی اپنی اصلاح کیساتھ اپنے عزیز و اقارب اور معاشرے کی فلاح و اصلاح ، اخلاقیات کے اصل ستون ہیں ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

''لوگوں کو دانش ونصیحت یعنی حکمت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ۔'' (سورۃ النحل۔125)

رشتہ داروں، محتاجوں اور مسافروں کو انکا حق ادا کرو اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ کہ فضول خرچی کرنے والے تو شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا کفران کرنے والا ناشکرا ہے اگر تم اپنے پروردگار کی رحمت کے انتظار میں، جس کی تمہیں امید ہو اُن کی طرف یعنی مستحقین کی طرف توجہ نہ کر سکو تو ان سے نرمی سے بات کہہ دیا کرو اور اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن سے بندھا ہوا کرلو اور نہ بالکل کھول دو کہ ملامت زدہ اور درماندہ ہو کر بیٹھ جاؤ۔'' (بنی اسرائیل 26 تا29)

''اور جب کوئی چیز ماپ کر دینے لگو تو پیمانہ پورا بھرا کرو اور ترازو سیدھی رکھ کر تولا کرو۔ یہ بہت اچھی بات اور انجام کے لحاظ سے بھی بہت اچھی ہے اور جس چیز کا تجھے علم نہیں اسکے پیچھے نہ پڑ۔ کہ کان اور آنکھ اور دل، ان سب سے باز پرس ہوگی اور زمین پر اکڑ کر نہ چل کہ تو زمین کو پھاڑ تو نہیں ڈالے گا اور نہ لمبا ہو کر پہاڑ تک پہنچ جائے گا ان سب کی برائی تیرے پروردگار کے نزدیک سخت ناپسند ہے'' (بنی اسرائیل ۳۵ تا ۳۸)

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ.اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَا نَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًاO

ترجمہ: اور میرے بندوں سے کہہ دو کہ ایسی باتیں کہا کریں جو بہت پسندیدہ ہوں کیونکہ شیطان ان میں فساد ڈلوا دیتا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے'' (بنی اسرائیل ۵۳)

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ ط

ترجمہ: اور بری بات کے جواب میں ایسی بات کہو جو نہایت اچھی ہو۔ (المومنون ۹۶)

''اور وہ لوگ جو تم میں صاحب فضل اور صاحب وسعت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ رشتہ داروں اور محتاجوں اور وطن چھوڑ کر جانے والوں کو کچھ خرچ نہیں دیں گے ان کو چاہئے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں کیا تم پسند نہیں کرتے کہ خدا تم کو بخش دے؟ اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔ (النور ۲۲)

وَعِبَادُالرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًاO

ترجمہ: اور خدا کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر آہستگی

سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے گفتگو کرتے یعنی الجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو سلام کہتے یعنی کنارہ کش ہو جاتے ہیں (الفرقان: ۶۳)

"اور جب بیہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو ہمارے اعمال اور تم کو تمہارے اعمال۔ تمکو سلام ہم جاہلوں کے خواستگار نہیں ہیں۔ (القصص: ۵۵)

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ O

ترجمہ: "اور اس شخص سے اچھا کون ہو سکتا ہے جو خدا کی طرف بلائے اور عمل نیک کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں۔" (حم سجدہ: ۱۳۳)

"مومنو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے، ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں اور عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو۔ ایمان لانے کے بعد برا نام گناہ ہے اور جو توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔ اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے کیا تم میں کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے ضرور نفرت کرو گے۔ خدا کا ڈر رکھو بے شک خدا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔" (الحجرات: ۱۱-۱۲)

اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ط اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ط

ترجمہ: "جو صغیرہ گناہوں کے سوا بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے اجتناب کرتے ہیں بے شک تمہارا پروردگار بڑی بخشش والا ہے۔" (النجم: ۳۲)

وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

ترجمہ: اور اگر معاف کر دو اور درگزر کرو اور بخش دو تو خدا بھی بخشنے والا مہربان ہے۔ (التغابن: ۱۴)

حضور نبی کریم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی مہربانی سے تمہاری افتادِ مزاج ان لوگوں کے لئے نرم واقع ہوئی ہے اگر تم تند خو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے تو ان کو معاف کر دو اور ان کیلئے مغفرت مانگو اور اپنے کاموں میں ان سے مشورہ کر لیا کرو اور عزم مصمم کر لو تو خدا پر بھروسہ رکھو بے شک اللہ بھروسہ رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (آل عمران: ۱۵۹)

پھر لوگوں سے مخاطب کرتے ہوئے ارشاد ربانی ہے

لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ

ترجمہ: "تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے اور تمہاری بھلائی کے بہت خواہشمند ہیں اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے مہربان ہیں" (توبہ: ۱۲۸)

سورۃ انبیاء میں ارشاد ہے کہ:

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ O

ترجمہ: "اے محمدؐ! ہم نے تم کو جہان (عالمین) کے لئے رحمت بنا کر بھیجا"

بلاشبہ حضور خاتم النبیین رحمت للعلمین اور رؤف الرحیم ہیں، مہربان اور نرم رو اور مجسم اخلاق حسنہ!! آنحضرت کی رحمت و شفقت کے ایک یا دو نہیں سینکڑوں واقعات موجود ہیں۔ سورۃ بقرہ میں اس واقعہ کا حوالہ پیش کیا گیا ہے جب غزوہ تبوک کے مجاہدین کیلئے حضورؐ کی جانب سے سامان جہاد کی فراہمی کی اپیل کی گئی جس سے جو بن پڑا اس نے کیا لیکن منافقین کا رویہ عدم تعاون ہی کا تھا بلکہ اگر کوئی مال لیکر حاضر ہوتا تو منافقین اس کا مذاق اڑاتے۔ مگر حضور سرکار دو عالم کے دہن مبارک سے کسی کے لئے بد دعا نہ نکلی اور وہ صحابی جس کے غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے پر اللہ ناراض ہوا آپؐ نے ان کی قبولیت کے لئے چالیس روز تک اللہ سے گڑگڑا کر دعا مانگی جس پر اللہ رب العزت نے آپؐ کا مومنین پر رؤف رحیم ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ آپ کی ذات گرامی عورتوں مردوں، بوڑھوں بچوں حتیٰ کہ کفار کے لئے بھی رحمت تھی آپؐ تبلیغ دین کے لئے طائف تشریف لے گئے تو طائف کے سرداروں نے آپؐ کی شان میں بے حد درجہ گستاخیاں کیں۔ بستی کے غنڈے آپؐ کے پیچھے پڑ گئے اور آپؐ پر پتھروں کی بارش کر دی نتیجتاً آپ لہولہان ہو گئے۔ مگر اہل طائف کے لئے بد دعا نہ کی!

ہجرت سے قبل جو مظالم آپؐ اور آپؐ کے صحابہ کرام پر اہل مکہ نے ڈھائے ان کو دہرانے ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں مگر فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے سب دشمنوں کو محض اللہ کی رضا و خوشنودی اور دین کی سربلندی اور فروغ کی خاطر معاف کر دیا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ (سورۃ الاعراف: ۱۹۹)

ترجمہ: پکڑ درگذر کو اور حکم کر ساتھ بہتر کے اور منہ پھیر لے جاہلوں سے۔

ارشاد ربانی ہے:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْراً O (سورۃ احزاب: ۲۱)

ترجمہ: "تمہارے لئے نبی کریم کی زندگی میں ایک

بہترین نمونہ ہے پس جسے اللہ سے ملاقات اور قیامت پر ایمان ہے تو چاہئے اللہ کا ذکر کثرت سے کرے۔" اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور سرور کائنات کی زندگی کو اہل ایمان کے لئے ایک بہترین نمونہ قرار دیا اور یہ بات بھی باور فرمادی کہ انسان کی کامیابی و کامرانی آپ کے اسوۂ حسنہ پر چلنے اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے میں ہے۔ سبحان اللہ کہ کس شان سے ایک مومن کا منشور زندگی صرف ایک آیت مبارکہ میں بیان کر دیا گیا مومنین کی زندگی کا اصل دستور عمل قرآن مجید ہے اور حضور سرور کائنات ﷺ چلتا پھرتا قرآن۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ سے کسی صحابی نے آپ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا تو جواباً حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا "کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا"؟ قرآن مجید میں جس قدر اخلاقی صفات اپنانے کا حکم موجود ہے وہ سب اوصاف وفضائل آپ کی شخصیت اقدس میں بدرجہ اتم موجود تھے اور جن باتوں سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے منع فرمایا ان میں سے کوئی ایک بات شائبہ کی حد تک بھی آپ کے قریب سے نہ گزری حضور نبی کریم کا ایک قول مبارک ہے:

تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللہِ یعنی اللہ کے اخلاق اپناؤ کیا خوب صورت تفسیر ہے حکم الٰہی کی کہ اللہ کا رنگ اپناؤ

صِبْغَةَ اللہِ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللہِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ O (البقرۃ:۱۳۸)

ترجمہ: "اللہ کا رنگ اپناؤ اللہ کے رنگ سے بہتر کس کا رنگ ہے اور ہم ان تمام رنگوں اور صفات کا اقرار کرتے ہوئے اسی کے عبادت گزار بندے ہیں"

عفو و درگزر، بخشش و نجات، پرورش و تربیت نرم مزاجی، اچھی اور کھری بات، عدل و احسان رحمت و شفقت! اخلاق عالیہ نہیں تو کیا ہے؟۔ چنانچہ اللہ حکم دیتا ہے عدل و احسان کا قرابت داروں کی دیکھ بھال کا اور منع کرتا ہے بے حیائی۔ منکرات اور ظلم سے پس تعلیم اخلاق، اسلام کی تعریف بھی ہے اور بعثت مبارکہ کا مقصد اولیٰ بھی، چنانچہ اللہ رب العلمین نے آپ کی بعثت مبارکہ کے مقاصد بیان فرماتے ہوئے سب سے بڑھ کر زور ہی تزکیہ نفس یعنی مکارم اخلاق پر دیا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ. (البقرۃ:۱۳۸)

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِيْ وَ لَا تَكْفُرُوْنِ O (البقرۃ: ۱۵۲)

ترجمہ: "اور ہم نے آپ کے لئے آپ ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو کلام پاک کی آیات تلاوت فرماتا، آپکا تزکیہ فرماتا، آپکو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا اور وہ کچھ سکھاتا ہے جو آپ نہیں جانتے پس ہمارا یعنی اللہ کا ذکر کرو اللہ تمہیں یاد رکھے گا اور اللہ کا شکر بجالاؤ اور کفر مت کرو۔"

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ط

"اور ہم نے اپنے رسولوں کو واضح ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب یعنی قانون اور میزان کو نازل کیا تا کہ لوگ انصاف پر قائم ہو جائیں۔"

تیسری جگہ ارشاد ہوتا ہے!

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ O

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس کو تمام ادیان پر غالب کردے خواہ مشرکین کو کتنا ہی ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔

چنانچہ بعثت مبارکہ کے بعد تبلیغ کے ابتدائی مراحل ہی میں حضور نبی کریم نے ایک وفد سے بات چیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا!

اگر تم وہ قبول کرلو جسے میں پیش کر رہا ہوں تو اس میں تمہاری دنیا اور آخرت دونوں کی بہتری ہے۔ آپ کا پیغام اور منشور ہمہ گیر، عالمگیر اور جامعیت سے بھرپور ضابطہ اخلاق ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی بعثت مبارکہ کا بنیادی مقصد ہی تزکیہ اخلاق ہے۔ تلاوت کلام پاک، کتاب وحکمت کی تعلیم، ذکر الٰہی اور اللہ کا شکر بجالانا اخلاق حسنہ نہیں تو اور کیا ہے؟ چنانچہ حضور کی سیرت مبارکہ اخلاق حسنہ ہی کا دوسرا نام ہے اگر یوں کہا جائے کہ تمام آسمانی مذاہب اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے مبعوث کردہ سبھی پیغمبر اخلاق عالیہ کے فروغ کے لئے اس دنیا میں تشریف لائے تو مبالغہ نہ ہوگا اللہ تعالیٰ کو الٰہ واحد ماننا اور اسکی عبادت کرنا عین اخلاق حسنہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو رب الناس، ملک الناس اور الٰہ الناس مانتے ہوئے، اپنی زندگی و بندگی اسی کے نام کر دینا ہی اخلاق عالیہ ہے انسان وہی ہے جو اپنے محسن اور منعم حقیقی کو پہچان لے، اسکی قدر کرے اور اس کا شکر بجالائے چونکہ اخلاق کا معنی ہی کسی کا حق خوشی خوشی ادا کرنا ہے لہذا جب حق کی ادائیگی کی بات آتی ہے تو انسان پر سب سے پہلا حق اُسی رب العلمین کی عبادت و بندگی ہے۔

حضور سرور کائنات نے اپنی بعثت مبارکہ کا مقصد ہی اچھے اخلاق کی تکمیل بتایا:

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔ (مجھے بہترین اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ:

فَاِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللہِ ﷺ كَانَ الْقُرْآنَ (نبی اکرم کا خلق تو سراسر قرآن پاک ہے (مسلم شریف)

فرائض منصبی ہوں، حقوق اللہ یا حقوق العباد، کسی بھی انسان کا کوئی قول فعل یا خیال دائرہ اخلاق سے باہر

نہیں ہوتا کہ اخلاق تو نام ہی انسان کے فضائل و اعمال کا ہے جو اپنے فرائض یعنی اپنے ذمے دوسروں کے حقوق خوشی اور تندہی سے کما حقہ ادا کرے وہ اعلیٰ اخلاق کا مالک اور جو ناک بھوں چڑھائے، حقوق کی ادائیگی میں بخل، کوتاہی یا بے رخی اور غفلت برتے وہ بداخلاق ہوتا ہے۔

اخلاق کے موضوع اور اس کی تعریف پر دنیا بھر کے دانشوروں اور فلسفہ دانوں نے نہ جانے کیا کچھ لکھ ڈالا مگر تربیت نفس اور مکارم اخلاق کا جو سہرا اللہ رب العزت نے آپؐ کے سر سجایا وہ کسی اور ذی روح کو نصیب ہوا نہ ہوگا۔

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم

اپنے پرائے دوست دشمن سب آپؐ کی اخلاقی عظمت کی گواہی دیتے ہیں۔ نبوت کے ابتدائی دور میں حضرت ابوذر غفاریؓ کے بھائی آپؐ کی خدمت حاضر ہوئے تو سب سے زیادہ متاثر وہ آپؐ کے اخلاق عالیہ ہی سے ہوئے۔ اسلام کے اس ابتدائی دور میں جب مسلمان حبشہ کو ہجرت کر گئے تو حبشہ کے بادشاہ ہرقل کے دربار میں حضرت جعفر طیار آپ کی تعلیم کی گواہی آپؐ کے سچ بولنے، خونریزی سے منع کرنے، یتیموں کا مال نہ کھانے اور پاک دامنوں پر تہمت نہ لگانے جیسی اعلیٰ اخلاقی صفات سے دی۔

دوسری طرف ابوسفیان جو اس وقت دشمن اسلام تھے انہوں نے بھی اس بات کی شہادت دی کہ آپؐ توحید اور عبادت الٰہی کیساتھ پاک، دامن رہنے، سچ بولنے اور قرابتداروں کا حق ادا کرنے کی نصیحت فرماتے ہیں

صفا کی پہاڑی پر دی جانے والی دعوت اسلام کے موقع پر آپؐ کا قریش مکہ سے یہ سوال کہ اگر میں یہ کہوں کہ ابھی اس پہاڑی کے پیچھے سے ایک بڑا لشکر آپ پر حملہ آور ہونے کو ہے تو کیا آپ لوگ اس بات کو تسلیم کرلیں گے جواباً سبھی حاضرین نے یک زبان ہوکر کہا کہ ہاں ہم آپ کی بات سچ مان لیں گے کہ آپؐ صادق و امین ہیں اور آپؐ نے زندگی بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ یہی صداقت و امانت آپؐ کے اخلاقِ عالیہ کی اصل بنیاد ہے اخلاقیات عملی اور اطلاقی فلسفہ ہے جس کا مرکز انسان کا قلب اور بنیادی منبع مذہب ہے۔ اور مذہب کا خاصا یہ ہے کہ اس کے اصول و ضوابط کی اساس عقول کی بجائے "اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ اور نَهِیُ عَنِ الْمُنْكَرُ" ہے۔ یوں اعلیٰ اخلاق ایمان کی بنیاد پر کی گئی نیکی کا نام ہے اور بداخلاقی، مذہب سے بیگانگی اور شر پسندی کا نام۔

اعلیٰ اخلاق تقویٰ کی معراج ہے اور بداخلاقی فسق و فجور کی نمائندہ! من حیث الفرد ہو یا من حیث القوم، جب تک معاشرے کے افراد کا اخلاق اچھا نہ ہوا ایک ایسا معاشرہ قائم ہو ہی نہیں سکتا جو راحت و سکون اور امن و سلامتی اور خوشحالی کا مظہر ہو۔

آپ کو اللہ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنُ نے کیا کیا فضل و کمال بخشے اسکا اندازہ صرف اس بات سے لگالیں کہ قرآن حکیم میں آپ کو ۱۰۲ صفاتی ناموں سے یاد فرمایا گیا اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَکَانَ فَضْلُ اللهِ عَلَیْکَ عَظِیْمًاO

یعنی آپؐ پر اللہ جل شانہ کا فضل عظیم ہے اور کیوں نہ ہو کہ آپ کی شان اخلاق اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم ہے۔ یعنی آپ کا اخلاق حمیدہ اتنا اعلیٰ ہے کہ آپ کو اخلاق جمیلہ کی تمام صفاتِ خیر پر تسلط حاصل ہے آپ ﷺ رحمتہ للعلمین، آپ ﷺ شفیع المذنبین، آپ ﷺ افضل الانبیاء، سید المرسلین اور سردار السالکین ہیں اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم مسلمان جن کے لئے حضور اقدس کو اسوۂ حسنہ یعنی اخلاق حسنہ کا مکمل نمونہ بنا کر بھیجا گیا آپؐ کی اطاعت اور اتباع کے حوالے سے کہاں کھڑے ہیں؟ لہٰذا آپؐ کے امتی ہونے کے ناطے سے فرقہ واریت، وعدہ خلافی، جھوٹ، تکبر، انا پسندی، بخل، عیب جوئی اور غیبت وغیرہ کا تو ایک مسلمان مومن و مومنہ کیساتھ دور کا واسطہ بھی نہیں ہونا چاہئے! جس کے اخلاق عالیہ بہترین ہونگے اسے اتنا ہی قرب الٰہی اور معرفت و حکمت نصیب ہوگی اور اپنے رب کی معرفت و حکمت کے بغیر انسان کو نہ اللہ کی نعمتوں کی قدر ہوتی ہے اور نہ ہی اپنے خالق و مالک کی۔ اس لیے ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے محسن و منعم حقیقی کو پہچانتے ہوئے اسی کے فرمانبردار اور شکرگزار بندے بن جائیں اور اپنے پیارے رسول کریم سرکار دو عالم، فخر موجودات، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اخلاق عالیہ اپنائیں جو سچائی، ایمانداری، قوت برداشت، تدبر و فراست، ثابت قدمی، جرأت و بہادری، حیا، خوفِ خدا، عفوو درگزر، رحمدلی، زہد و تقویٰ، سادگی، شفقت، صلح پسندی، ضبط و صبر، طہارت و پاکیزگی، عدل و انصاف، قناعت و فیاضی، نرم مزاجی، وعدے کی پابندی، ہمدردی الغرض ہر اس خوبی سے مزین تھے جو اللہ کو پسند ہے۔ ❁

بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ
آپ ﷺ اپنے کمال کے سبب بلندی پر پہنچے
کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمَالِہٖ
آپ ﷺ نے اپنے جمال سے اندھیروں کو دُور کردیا
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ
آپ ﷺ نے تمام تر خصائل نہایت حسین ہیں
صَلُّوا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ
آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی آل پر درود و صلوات ہو
(شیخ سعدیؒ)

نعتِ رسُول ﷺ کی اہمیت

حکیم محمد سعید

☆ دنیا میں کوئی الہامی کتاب ایسی نہیں ہے، جس کے بارے میں یہ دعویٰ اس کے ماننے والے بھی کرسکیں کہ وہ تحریف وتغیر سے محفوظ ہے۔ اور آج جو اوراق اس کے موجود ہیں بعینہٖ وہی اور بالکل وہی ہیں جو آسمان سے نازل ہوئے تھے۔ البتہ قرآن ایک ایسی الہامی کتاب ہے کہ اس چودہ سو سال کی طویل مدت میں خود اغیار واجانب واعداً کا اعتراف ہے کہ اس کے ایک حرف، ایک نقطے اور ایک شوشے میں بھی کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ آج جو قرآن دنیا میں موجود ہے، بالکل وہی ہے جو خدا کی طرف سے جبریلِ امینؑ کی وساطت سے سرورِ کائنات ﷺ پر نازل ہوا تھا، وہ ہر تحریف سے پاک اور ہر تغیر سے ناآشنا ہے۔

اسی طرح دنیا میں کوئی نبی اور کوئی رسول ایسا نہیں ہے، جس کی زندگی کے شب وروز پوری تفصیل اور صحت واستناد اور جزئیات تک کے استقصاً کے ساتھ موجود ہوں۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی امتوں کے پاس کوئی کتاب ایسی نہیں ہے، جس میں ان انبیاء کے حالات وسوانح جامع ومکمل طور پر نہ سہی، مختصر اور مجمل طور پر سہی، مرتب اور محفوظ ہوں۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ کوئی ایسی کتاب بھی نہیں ہے، جس میں مذکورہ انبیاء کی حیاتِ گرامی کا کوئی ایک دن بھی ضروری تفصیلات کے ساتھ موجود ہو۔ بلکہ میں ایک قدم اور آگے بڑھتا ہوں اور دعویٰ کرتا ہوں کہ کوئی ایک ایسا واقعہ بھی نہیں ہے جسے سندِ مسلسل کے ساتھ پیش کیا جاسکے، اور جس کی صحت شک وشبہ اور اختلاف ونزاع سے بالاتر ہو۔ ہاں محمد عربی ﷺ کی حیاتِ گرامی کا ایک ایک حادثہ، آپ ﷺ کی گفتار وکردار، امرونہی، وضع وطریق اور اعمال واقوال کا پورا مجموعہ بلا شائبہ ریب وشک سندِ مسلسل کے ساتھ موجود ہے۔ اور ہر طرح کے اختلاف ونزاع سے بالاتر ہے، جس کی صحت وصداقت وہ لوگ بھی تسلیم کرتے ہیں، جو نہ اسلام کو دینِ الٰہی تسلیم کرتے ہیں نہ آپ ﷺ کو نبی برحق! قرآن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ چنانچہ خدا نے اس کی حفاظت کی، وہ آج تک موجود ہے اور ہمیشہ موجود رہے گا۔

رسولِ کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کو اللہ تعالیٰ نے اسوۂ حسنہ قرار دیا۔ اس اسوۂ حسنہ پر عمل اس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ پوری صحت وتفصیل کے ساتھ نظر کے سامنے موجود نہ ہو۔ پس لازم تھا کہ آپ ﷺ کی زندگی کے شب وروز پوری تفصیل، جامعیت اور صحت کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہوجائیں۔ نیز آپ ﷺ کے اعمال واقوال کا ایک ایک گوشہ اور ایک ایک لفظ نظر سے اوجھل نہ ہونے پاتا، تاکہ اِس نقشِ قدم کی پیروی طالبانِ حق وصداقت کے لیے دُشوار نہ رہتی، آسان ہوجاتی۔ آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ سب کے سامنے ہے۔ اور وہ باآسانی معلوم کرسکتا ہے کہ آپ ﷺ کی عبادت وریاضت کا کیا عالم تھا؟ دوستوں کے ساتھ کیا سلوک اور دشمنوں کے ساتھ کیا برتاؤ تھا؟ سالارِ فوج اور فاتح کی حیثیت سے آپ ﷺ کی شخصیت کیا تھی؟ گھر کے باہر اور گھر کے اندر آپ ﷺ کے اشغال کیا تھے؟ عزیزوں کے ساتھ، رشتے داروں کے ساتھ، پڑوسیوں کے ساتھ، گستاخوں اور نافرمانوں کے ساتھ، جاںنثاروں اور فداکاروں کے ساتھ، بوڑھوں کے ساتھ، بیویوں کے ساتھ، بیٹی کے ساتھ، بھائی کے ساتھ، نواسوں اور نواسیوں کے ساتھ، ہم جلیسوں اور ہمدموں کے ساتھ آپ ﷺ کا رویہ کیا تھا؟ اور یہ سب چیزیں اسی وقت معلوم ہوسکتی ہیں کہ جب آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ پیشِ نظر ہو۔ اور اس اسوۂ حسنہ کو دیکھ کر آپ ﷺ کے جمالِ جہاں آرا کا ایسا منظر نظر کے سامنے آتا ہے کہ زبان پر بے ساختہ نعت وتحسین کا ترانہ جاری ہوجاتا ہے۔

دُنیا کے اس سب سے بڑے شخص کی نعت، جو حقیقی اور صحیح معنوں میں انسان کامل تھا، خود اس کے پیدا کرنے والے نے بھی کی ہے، اور افلاک پر فرشتوں کو اور زمین پر انسانوں کو اس کی نعت کا حکم دیا اور اس کی تاکید کی ہے۔ قرآن کریم میں وارد ہوا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○ (الاحزاب:۵۶)

قرآن کریم کی اس صاف اور واضح نعت کے بعد نعتِ رسول ﷺ کی اہمیت پر مزید روشنی ڈالنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں نعتِ رسول کریم ﷺ کا آغاز عہدِ نبوی ﷺ ہی میں ہوگیا تھا، اور وہ بھی یک بیک اور بے ساختہ ہجرت کرکے جب آپ ﷺ یثرب میں وارد ہوئے تو انصارِ مدینہ کی معصوم لڑکیوں کی زبان پر یہ بول

اشعار کی صورت میں جاری تھے:

طلع البدر علینامن ثنیّات الوداع

وجب الشکر علینا مادعالله داع

ایها المبعوث فینا جئت بالامر

المـــــــطـــــــاع

مجھے یہ عرض کرنے میں باک نہیں کہ یہ معصوم بول درحقیقت الہامی تھے۔ ورنہ معصوم اور کم سِن لڑکیوں کی زبان پر موزوں ہوکر وہ الفاظ کیسے آسکتے تھے، جن میں ایک طرف بھر پور جوشِ عقیدت ہے اور دوسری طرف اتنی حقیقت اور صداقت کہ اس وقت تک کی ہرزبان کی ساری نعتوں کا نچوڑ اس میں آگیا ہے۔

پھر شاعرِ رسول ﷺ حضرت حسّان بن ثابت کے نعتیہ قصائد ہیں جن کا ایک ایک حرف سراپائے رسُول ﷺ کا مرقع ہے۔

رسُول اللہ ﷺ سے محبت اور عقیدت ایمان کا لازمی حصہ ہے اور اسی محبت اور عقیدت کا اظہار نعت ہے۔ ہر دور میں اور ہر زمانے میں تقریباً ہر زبان میں نعت گوئی کا سلسلہ جاری رہا۔ نعت سلطانوں اور شہر یاریوں کی مدح نہیں ہے۔ یہ ذکرِ جمیل ہے اُس رسول جلیل ﷺ کا جس پر نبوت ختم ہوگئی۔ اور جس نے اس زمانے میں جب دنیا سوائے نظامِ شہر یاری کے کسی دوسرے نظام کا تصور بھی نہیں کرسکتی تھی، شُورائی طرزِ حکومت کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ جب شاہی سے لے کر وزارت تک کا وراثت کا چلن تھا۔ اُس نے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا۔ اور یہ امرامت کی صواب دید پر چھوڑ دیا۔ جب اسیرانِ جنگ میں سے مردوں کا غلام اور عورتوں کو باندی بنالیا جاتا تھا، اس نے صاحب استطاعت پر فدیہ عائد کیا اور غیر مستطیع کو پروانۂ آزادی عطا فرمایا۔ جب دنیا میں عورت ماں کی حیثیت سے، بہن کی حیثیت سے، لڑکی کی حیثیت سے، بیوی کی حیثیت سے ترکے اور ورثے میں کوئی حق نہیں رکھتی تھی، اور اس سے ننگِ انسانیت سلوک کیا جاتا تھا، آپ ﷺ کی دی ہوئی شریعت نے، جہاں تک انسانی حقوق کا تعلق تھا، دونوں صنفوں کو ایک سطح پر لا کھڑا کیا۔ عورت کو وراثت میں حصہ دیا، اسے خلع کا حق دیا، نکاح کی قبولیت کے لیے اس کی منظوری لازم کردی، اسے اپنی ذاتی املاک و جائداد کا مالک تسلیم کیا، اس کی انفرادیت اور شخصیت کا تحفظ کیا۔ جب غلاموں کو جانوروں سے بدتر سمجھا جاتا تھا تو اس کی شریعت نے غلاموں کو صرف انسانی حقوق ہی نہیں دیے بلکہ تدریجی طور پر نظام غلامی ختم کرنے کا بندوبست کردیا۔ غلام کو آزاد کردینے کے لیے اجر وثواب کی بشارت دی، گناہوں کے کفارے میں غلاموں کی آزادی کو ضروری قرار دیا۔ جسمانی مشقت میں مالک کو بھی غلام کا ہاتھ بٹانے کا حکم دیا، غلاموں کے ساتھ بدزبانی کی ممانعت فرمائی۔ حکم دیا جو خود کھاؤ وہی انہیں کھلاؤ، جو خود پہنو وہی انہیں پہناؤ۔ جب مجد وشرف کی بنیاد خاندان اور حسب و نسب تھا آپ ﷺ نے إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ فرما کر اس طلسم کا خاتمہ کردیا۔ جب بڑوں کے لیے کسی جرم و معصیت پر احتساب کا رواج نہ تھا۔ اور چھوٹوں کے لیے معمولی خطائیں بھی برقِ جاں سوز کی حیثیت رکھتی تھیں، اُس نے عدل میں مساوات کا چارٹر ان الفاظ میں دیا ''بخدا اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرے گی تو اسے قطع ید کی سزا دی جائے گی!'' جب انسانی اور بنیادی حقوق کا کوئی منشور عالم خیال میں بھی وجود پذیر نہیں تھا، اس نے انسانی اور بنیادی حقوق کا پروانہ دکھی انسانیت کو عطا فرمایا۔ اور جب دنیا سے رخصت ہونے لگے تو پوچھا:

''عائشہ وہ جو سونا میں نے تمہارے پاس رکھوایا تھا اس کا کیا کیا؟''

حضرت عائشہؓ نے جواب دیا، ''رکھا ہے!''

فرمایا: ''عائشہ کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں اپنے رب سے اس حال میں ملوں کہ وہ مجھ سے بدگمان ہو؟ اسے ابھی تقسیم کردو مستحقین میں!''

اور جس کا اپنی چہیتی بیٹی فاطمہؓ کے ساتھ، کہ جسے حسب روایت حضرت عائشہؓ، ''سیدۃ النسأ العالمین'' کا خطاب حاصل تھا، سلوک یہ تھا کہ جب چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے تو انہوں نے ایک خادم کی درخواست کی۔ اس درخواست کے جواب میں خادم دینے کی بجائے یہ فرمایا:

''کیا میں تمہیں اس سے بھی اچھی چیز نہ عطا کردوں؟'' یہ کہہ کر چند دعاؤں کی تلقین فرمادی...... یاد رہے کہ جواب یثرب کے مہاجر کا نہ تھا فاتح مکہ کا تھا! جس کی سیرت یہ ہو، بلکہ حضرت عائشہؓ کے الفاظ میں جس کی سیرت قرآن کا پرتو ہو، حق یہ ہے کہ ان کی نعت میں جن و بشر شب و روز منہمک رہیں۔ میں اختتام اس خدائی نعت پر کرتا ہوں۔

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ط يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ٥ (الاحزاب:٥٦)

اور اگر ضروری ہے کہ میں کوئی نعتیہ شعر بھی پیش کروں تو اقبال کے دو اشعار پر ختم کرتا ہوں۔

کجا بینی جہانِ رنگ و بُو آں کہ از خاکش بروید آرزُو

یا ز نور مصطفیٰ اورا بہاست یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰ است

❁

یہ سب تمہارا کرم ہے آقا ﷺ

محترمہ اُمِّ کلثوم خان

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا O (الاحزاب:۲۱)

☆ ''درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے۔ ہراس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے''

اسوہَ حسنہ سے مراد نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ ہے جو آپ نے بعثت کے بعد بحثیت رسول اللہ بسر کی۔ آپکی اس زندگی کو اللہ نے اہل ایمان کے لیے اسوہ حسنہ اور بہترین زندگی کا نمونہ فرمایا ہے۔قرآن پاک میں سورۃ ''القلم'' میں ارشاد ربانی ہے ''وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ'' ''اور بے شک تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہو'' خلق لغت میں دو حرفی مفہوم رکھتا ہے طینت باطنی اور ظاہری سیرت اصطلاح عقلاء میں خلق وہ ملکہ نفسی ہے کہ جسے وہ ملکہ حاصل ہو اس کے لیے اچھے کام کرنا آسان ہو جاتا ہے اچھائی اور نیکی کو دل اور دماغ میں راسخ اور جاگزیں ہو جانے کے لیے طویل محنت اور ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے۔ خلق ایسی ہی کیفیت راسخہ کا نام ہے۔جس کی بنا پر اچھے کام سہولت سے سرزد ہو سکتے ہوں۔ حدیث قدسی ہے۔کہ اگر تمہیں اطلاع دی جائے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہل گیا ہے تو مان لو اور اگر تمہیں بتایا جائے کہ کسی مرد نے اپنی عادت چھوڑ دی ہے تو نہ مانو اگر اللہ چاہے تو اخلاق کو تبدیل فرمادے۔ دراصل انسانوں کی دو قسمیں ہیں۔ 1: جن کی عادت پختہ ہو چکی ہو اس کو کلی طور پر زائل کرنا مشکل ہے۔

تاہم مسلسل محنت اور ریاضت سے ان کا ازالہ کیا جا سکتا ہے۔ 2: جن کی عادتوں کی جڑیں گہری نہ ہوں اگر وہ لوگ محنت سے کام لیں۔صالحین کی صحبت اختیار کریں تو وہ اچھے اخلاق جو کمزور ہوں وہ قوی ہو سکتے ہیں اور برے اخلاق جو قوی ہوں وہ کم بلکہ ختم ہو سکتے ہیں۔انبیاء کرامؑ و مرسلین کا کام رشد و ہدایت تعلیم و تربیت اور تزکیہ اخلاق ہے۔اگر اخلاق میں تبدیلی ناممکن ہوتی تو یہ مبعوث ہی کیوں ہوتے؟۔ حدیث شریف میں تعلیم امت کے لیے یہ دعا آئی ہے ۔''اے اللہ مجھے بہترین اخلاق کی ہدایت فرما کہ بہترین اخلاق کی ہدایت تیری ہی عنایت ہے۔'' اور برے اخلاق کو مجھ سے دور فرما کہ ان کا دور کرنا تیرا ہی کام ہے''۔

نتیجہ یہ نکلا کہ جو ارفع و اعلیٰ اوصاف دیگر انبیاء میں فرداً فرداً پائے جاتے تھے وہ سب مجموعی طور پر اللہ کے حبیب ﷺ میں پائے گئے خود حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ''کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْاٰن'' یعنی قرآن ہی آپ ﷺ کا اخلاق ہے۔

آپ نے دنیا کے سامنے محض قرآن کی تعلیم ہی پیش نہیں کی بلکہ خود اس کا نمونہ بن کر دکھایا۔ نبوت و رسالت کی گراں بار ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے اللہ نے آپ ﷺ کو صبر، حلم، عفو و درگذر، شجاعت و استقامت، جود و سخا، عدل و انصاف، صداقت و امانت اور حسن معاشرت جیسے اوصاف حمیدہ و دیعت کر رکھے تھے۔جو تبلیغ دین کا صحیح فریضہ ادا کرنے کے لیے انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔

حلم کا معنی یہ ہے کہ جب طیش دلانے والے اسباب پائے جائیں تو باوقار طریقے سے ان پر قابو پایا جائے۔

عفو و درگزر معاف کرنے کو کہتے ہیں۔صبر کا مفہوم بہت وسیع ہے۔مصائب و آلام میں آہ و فغاں نہ کرنا اپنے آپ کو نیک کاموں کا پابند بنانا برے کاموں سے روکے رکھنا اور اپنے اندر اعلیٰ درجے کی قوت برداشت پیدا کرنا۔ نبی اکرم ﷺ تمام جہانوں کے لیے سراپا رحمت بن کر آئے آپ کی انتہائی آرزو یہ ہوتی کہ کفار و مشرکین ایمان کی دولت سے مالا مال ہو جائیں اور جہنم کے دائمی عذاب سے نجات پا کر جنت کی لازوال نعمتوں کے مستحق بن جائیں۔لیکن جب انکار اور شدید مذمت کا مظاہرہ ہوتا تو آپ کے قلب اطہر کو شدید صدمہ پہنچتا اس کے باوجود آپؐ سلسلۂ تبلیغ جاری رکھتے اور اللہ کی طرف سے ارشاد ہوتا۔ اِفَاصْبِرْ کَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ ''ترجمہ تم صبر کرو جیسے اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا''۔

مشرکین آپ کو جادوگر، کاہن، مجنوں اور شاعر کہتے جور و جفا کی آندھیاں چلتی رہیں، جہالت اور بدتمیزی کے طوفان اٹھتے رہے، کفار و مشرکین آپ ﷺ کی ذات کو نشانہ ستم بناتے رہے، صحابہ پر ظلم کے پہاڑ توڑتے رہے، گالیاں دیتے رہے، طعن و تشنیع کرتے رہے حتیٰ کہ پتھر برساتے رہے لیکن آپ نے اُف تک نہ کی۔

طائف کا قصہ اور فتح مکہ کے موقع پر آپ کا قریش کو معاف کر دینا عفو و درگذر کی بہترین مثال ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا ''اے قریش! تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے بارے میں کیا فیصلہ

کرنے والا ہوں۔زندگی میں پہلی مرتبہ سچ ان کی زبان پر آیا اور بیک آواز بولے وہی جو ایک بہترین بھائی اور بہترین بھتیجے کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ ''رحمت اللعالمینؐ نے فرمایا ''جاؤ تم سب آزاد ہو'' اس خلق عظیم نے ان کے دلوں کو فتح کر لیا۔اور وہ سب مسلمان ہو گئے۔

آپ ﷺ میں شجاعت و استقامت بدرجہ اُتم موجود تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت وحمایت پر آپ ﷺ کو کامل بھروسہ اور ناقابل شکست اعتقاد تھا۔ابو طالب کے پاس قریش کا آنے اور آپؐ کو دین کی مخالفت سے منع کرنے پر آپ ﷺ نے فرمایا ''بخدا'' اگر میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند لا کر رکھ دیں تو بھی میں دعوت اسلام کو ترک نہ کروں گا''۔

ظالم و جابر اور پیکر تکبر و رعونت سرداران قریش کے سامنے اعلی الاعلان دین اسلام کی دعوت دینا اور ان کے عقائد کی مخالفت کرنا انتہائی جرات وشجاعت کا کام ہے۔ ''نجد کی طرف جہاد سے واپسی پر حضور ﷺ ایک درخت کے نیچے استراحت فرما رہے تھے کہ ایک کافر غورث بن حارث نے آپ ﷺ کی تلوار اٹھا لی اور للکارتے ہوئے کہا تم کو اب میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ مجھے بچائے گا۔یہ سن کر غورث پر ہیبت طاری ہو گئی اور اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اس پر آنحضرت ﷺ نے تلوار اٹھاتے ہوئے بڑے باوقار لہجے میں اُسے کہا کہ اب تمہیں بچانے والا کون ہے؟ غورث پر کپکپی طاری ہو گئی اور اس نے گڑگڑاتے ہوئے کہا کہ آپ ﷺ تو حلم وصبر کے پیکر اور معاف کرنے والے ہیں آنحضور ﷺ نے اُسے محض اللہ واسطے معاف فرما دیا۔جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ فوراً مسلمان ہو گیا''۔

جودوسخا یعنی بغیر کسی عوض اور غرض کے عطا کرنا یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے یا پھر اللہ کے بعد اس کے حبیب ﷺ کی۔آپ ﷺ کی خدمت میں اگر کوئی سوالی آتا تو انکار نہ فرماتے۔جو موجود ہوتا عطا فرما دیتے اور اگر نہ ہوتا تو شائستہ زبان میں معذرت کر لیتے یا قرض لے کر اس کی حاجت پوری کر دیتے آپ ﷺ کے پاس جو بھی ہدیہ اور نذرانہ آتا سب کا سب صدقہ اور خیرات کر دیتے۔

عدل وانصاف میں آپ ﷺ بے نظیر مقام رکھتے تھے اگر یہ کہا جائے کہ آپ کی ذات اقدس انصاف وعدالت کا معیار ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

حنین کا مال غنیمت تالیف قلوب کے لیے قریش اور دیگر قبائل عرب کو دیا گیا انصار کو کچھ نہ دیا جسے انصار کے بعض افراد نے شدت سے محسوس کیا۔حضور ﷺ نے انہیں طلب فرمایا اور مخاطب ہوئے کہ اے گروہ انصار کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ لوگ بکری اور اونٹ لے کر جائیں اور تم رسول اللہ ﷺ کو اپنے گھر لے جاؤ۔؟

''اس ذات اقدس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔اگر لوگ ایک راستے پر چلیں اور انصار دوسرے راستے پر چلیں تو میں انصار کی راہ چلوں گا۔اے اللہ انصار پر ان کے بیٹوں اور پوتوں پر رحم فرما''۔یہ سن کر انصار پر رقت طاری ہو گئی۔اور فرطِ مسرت سے ان کی آنکھیں اشک بار اور داڑھیاں تر ہو گئیں۔انہوں نے بیک زبان کہا ہم آپ ﷺ کی تقسیم پر راضی ہیں،اور اس پر خوش ہیں کہ آپ ﷺ ہمارے حصے میں آ گئے۔

نبی اکرم ﷺ کے اخلاق عظیمہ اور شمائل جمیلہ کا یہ بہت ہی مختصر تذکرہ ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ جس کے خلق کو اللہ تعالیٰ عظیم فرمائے اسے کوئی انسان کما حقہ بیان ہی نہیں کر سکتا۔

غزوۂ بدر کے موقع پر مجاہدین کی صفیں سیدھی کی جا رہی تھیں حضرت سواد بن غضیہؓ صف سے کسی قدر آگے نکل کر کھڑے ہوئے حضور ﷺ نے ان کے سینے پر چھڑی سے سیدھا ہونے کے لیے فرمایا! سواد! 'سیدھے ہو جاؤ'۔انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ نے مجھے تکلیف دی اللہ نے آپ ﷺ کو حق وعدل کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے مجھے بدلا دیجئے۔صحابہ کرام حیران رہ گئے کہ اس وقت زندگی اور موت کا سوال ہے یہ بدلا لینے کا کونسا وقت ہے۔مسلمان تو آقائے دو جہاں ﷺ کے قدموں میں جان قربان کرنے کو سب سے بڑی سعادت سمجھتے ہیں اور یہ سواد بدلا لینے کی بات کر رہے ہیں۔جب کہ انہیں فوجی ڈسپلن برقرار رکھنے کے لیے کہا گیا اذیت پہنچانا مقصد نہ تھا لیکن یہ دیکھ کر صحابہ کرامؓ کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ حضور ﷺ نے اپنا گریبان کھول کر سینہ ننگا کر دیا اور فرمایا کہ سواد آؤ اور بدلا لے لو۔حضرت سوادؓ آگے بڑھتے ہیں اور آپ کے سینے سے لپٹ جاتے ہیں انہوں نے عرض کیا حضور ﷺ حالات آپ کے سامنے ہیں زندگی کا پتہ نہیں میں نے سوچا دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے آپ کی جسد مبارک سے اپنا جسم مس کر لوں۔محبت وعشق کا یہ منظر دیکھ کر مسلمان تو مسلمان فرشتوں پر بھی رقت طاری ہو گئی حضرت سوادؓ کا کہا سچ ثابت ہوا اور وہ شہید ہو گئے۔

نبی اکرم ﷺ کی زبان اقدس کا یہ اعجاز ہے کہ اس سے ہمیشہ سچ اور حق ہی صادر ہوا۔آپ ﷺ کی صداقت نبوت کی دلیلوں میں سے ہے آپ کی صداقت وہ حقیقت مسلمہ ہے کہ آپ کے بدترین

دشمن بھی اس سے انکار نہ کر سکتے تھے۔ جب آپ ﷺ کا مکتوب گرامی قیصرِ روم کے پاس پہنچا تو اتفاقاً ابو سفیان بھی شام میں تھے قیصر روم نے انہیں بلا کر سوال کیا کہ کیا تم دعویٰ نبوت سے پہلے انہیں جھوٹ کا الزام دیا کرتے تھے۔؟ ابو سفیان نے "کہا" نہیں۔ قیصر نے کہا یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ لوگوں کے بارے میں جھوٹ نہ بولیں اور اللہ کے بارے میں جھوٹ کہیں۔ ہجرت مدینہ کے وقت بھی آپ ﷺ کے پاس مشرکین کی امانتیں موجود تھیں جو بعد میں حضرت علیؓ نے مالکوں کے سپرد کیں۔

نبی اکرم ﷺ نے اس وقت درس مساوات دیا جب دنیا کے کسی گوشے میں اس کا تصور نہ تھا آپ ﷺ نے غلاموں کے بارے میں فرمایا یہ تمھارے بھائی ہیں۔ اللہ نے تمہیں ان کا مالک بنایا ہے لہٰذا جو تم کھاؤ انہیں کھلاؤ اور جو تم پہنو انہیں بھی پہناؤ۔ انہیں ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دو اگر کسی ایسے حکم کا کام دو تو ان کی امداد کرو۔

غزوۂ احد میں بنو دینار کی ایک عورت کا شوہر باپ اور بھائی شہید ہو گئے صحابہؓ نے جب انہیں بتایا تو اُس نے پوچھا حضور ﷺ کا کیا حال ہے۔ صحابہؓ نے فرمایا خیریت سے ہیں اس مقدس خاتون نے کہا مجھے حضور ﷺ کی زیارت کراؤ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہی اس نے کہا کہ آپ ﷺ کے ہوتے ہوئے ہر مصیبت چھوٹی ہے۔ مولا کریم ہمیں بھی ایسی محبت اور اخلاق عظیمہ کی توفیق نصیب فرمائے آپ ﷺ کے اخلاق و الطاف نے دلوں کی دنیا فتح کی غیروں کو اپنا بنایا اور اپنوں کی محبت اور عقیدت کو معراجِ کمال تک پہنچا دیا۔ نبی اکرم ﷺ کے خوان کرم سے کس کو حصہ نہیں ملا۔ حضرت ابو بکر صدیق ؓ کو صداقت، حضرت عمر فاروق ؓ کو حکمت و عدالت، حضرت عثمان غنی ؓ کو سخاوت، حضرت علیؓ کو شجاعت، یاران نبی ؓ کو صحابیت، حضرت ابن عباسؓ کو فقہایت، حضرت ابو ہریرہ کو حافظہ اور ہم تمام مسلمانوں کو دولت ایمان اور امت رسول ہونے کا شرف آپ ہی کی بارگاہِ رسالت سے عطا ہوا۔

یہ سب تمہارا کرم ہے آقا
کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے

حقیقت یہ ہے کہ تمام مخلوقات کو نعمت وجود آپ ہی کے طفیل سے ملی۔ قیامت کے دن تمام مسلمان آپ ﷺ ہی کی شفقت و شفاعت کے فیضان کے منتظر ہوں گے اور آپ ﷺ ہی سب کو آب کوثر سے سرفراز فرمائیں گے اللہ ہم سب مسلمانوں کو اپنے نبی محمد ﷺ کی طریقت اور شریعت اور اسوۂ حسنہ کو اپنانے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ دین کی سمجھ بوجھ اور شعور قرآن نصیب فرمائے، اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق بخشے اے اللہ نبی اکرم ﷺ پر ان گنت بے حساب درود و سلام بھیج اور ہم سب کو سچی پکی محبت اور دائمی ساتھ اپنے نبی ﷺ کا عطا فرما۔ فیضان رسول ﷺ سے ہمارے قلوب کو منور فرما اور نور محمدی ﷺ کے طفیل روشن پیشانیوں کے ساتھ اپنے حضور پیش ہونے کی توفیق عطا فرما۔ اے اللہ تو اور تیرا رسول ﷺ ہم سب مسلمانوں سے راضی اور خوش ہوں اور ہمارے ساتھ خیر کا معاملہ فرما۔ (آمین ثم آمین یا رب العالمین) ❁

تو غنی از ہر دو عالم مَن فقیر
روزِ محشر عُذر ہائے مَن پذیر
گر تُو می بینی حِسابم ناگزیر
از نگاہِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پنہاں بگیر

نبی اکرم ﷺ کا انداز تعلیم و تربیت اور انسانی نفسیات

جنید احمد ہاشمی

☆ اسلام کے اولین مخاطب وہ لوگ تھے جو ایک طویل عرصے سے پیغمبرانہ دعوت و تعلیم سے بے بہرہ چلے آ رہے تھے۔ اس صورت حال کو قرآن کریم یوں بیان کرتا ہے۔

''تاکہ تم ان لوگوں کو جن کے باپ دادا کو متوجہ نہیں کیا گیا تنبیہ کردو، وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔''

رسول اکرم ﷺ کے اولین مخاطبین جس علمی و روحانی افلاس اور تنگ فکری کے ماحول میں پلے بڑھے تھے، وہ آپ ﷺ کے تعلیمی و تربیتی عمل کے لیے ہرگز سازگار نہ تھا۔ چنانچہ ان کی جانب سے دعوت حق کی مخالفت ایک فطری ردعمل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دعوت کا آغاز ہوتے ہی مخالفت کے تمام محرکات نے جن میں جاہلی حمیت (ضد)، تکبر اور حسد وغیرہ سرفہرست ہیں، اپنا کام شروع کر دیا۔ باپ دادا کی روایت کو چھوڑنا، معاشرتی، معاشی اور سیاسی نظاموں میں تبدیلی، قبائلی جمعیت کا انتشار وغیرہ امور ایسے تھے جن کی بنا پر مخالفین و معاندین کی ایک فوج تیار ہوگئی نتیجتاً دوستی کے جواب میں دشمنی، خیرخواہی کے جواب میں پتھر اور کلمۂ حق کے جواب میں گالیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا اور لوگ جان کے دشمن بن گئے اور نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں پر عرصۂ زندگی تنگ کر دیا گیا۔

ان حالات میں رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے سماجی اور قومی رجحانات اور نفسیاتی اثرات کو مدنظر رکھتے ہوئے دعوت اور تعلیم و تربیت کے ایسے اسالیب اختیار فرمائے جن سے ان کے دل و دماغ پر چھائے حسد و نفرت اور عداوت و عناد کے بادل چھٹ گئے اور بالآخر انہی لوگوں نے کاروان حق میں شامل ہو کر وفا کی لازوال داستانیں رقم کیں۔ آئندہ سطور میں نبوی تعلیم و تربیت کے اسی پہلو کو سیرت طیبہ کی روشنی میں اجاگر کیا گیا ہے۔

معاندین سے حسن سلوک اور عفو و درگزر

تعلیم و تربیت کی اثر پذیری میں حسن سلوک، نرمی، محبت اور معافی سے بڑھ کر کوئی چیز مؤثر نہیں ہوتی۔ حسن سلوک، ہمدردی اور معافی سے دل قریب ہوتے ہیں جب کہ درشتی، سخت مزاجی اور بدلہ، دلوں کے بُعد اور تکدر کا باعث بنتے ہیں۔

معاندین و مخالفین کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کا طرز عمل قرآن کریم کی اس حکیمانہ ہدایت کا عملی مظہر تھا جس میں قرآن نے بدی اور دشمنی کے خاتمے کا حل بتایا ہے۔

''بھلائی اور برائی دونوں برابر نہیں، تم برائی کو اس چیز سے دفع کرو جو زیادہ بہتر ہے تو تم دیکھو گے کہ وہی جس کے اور تمہارے درمیان عداوت ہے، گویا وہ ایک سرگرم دوست بن گیا ہے۔''

قرآن کریم کی اسی ہدایت کی تاثیر تھی جس نے بدترین جانی دشمنوں کو سرگرم دوست بنا دیا۔

ثمامہ بن اثال ؓ یمامہ کے رئیس اور اسلام کے دشمن تھے۔ ایک رات نجد کے راستے پر صحابہ کرام ؓ کے ہاتھ لگ گئے، گرفتار کر کے مدینہ لائے گئے اور مسجد نبوی میں ایک ستون سے باندھ دیے گئے۔ نبی اکرم ﷺ نماز کے لئے تشریف لائے تو ان سے دریافت کیا: ''ثمامہ! تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے؟

انہوں نے کہا: ''اگر قتل کرنا چاہیں تو آپ ﷺ ایک خونی مجرم کو قتل کریں گے اور اگر معاف کر دیں تو آپ ﷺ کا یہ احسان ایک احسان شناس کی گردن پر ہوگا۔ اور اگر مال کی خواہش ہو تو جتنا کہیں گے حاضر کیا جائے گا۔'' یہ سن کر آپ ﷺ انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر چلے گئے۔ دوسرے دن بھی انہوں نے اس سوال کا یہی جواب دیا۔ تیسرے دن بھی یہی گفتگو ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ان کی رسی کھول کر انہیں رہا کر دیا۔

ثمامہ رسیوں سے تو آزاد ہوگئے مگر سچائی کی جو زنجیر ان کے پاؤں میں پڑ گئی تھی، اس سے رہا نہ ہو سکے۔ نبی ﷺ کے حسن سلوک اور عفو کا ان پر یہ اثر ہوا کہ مسجد سے نکل کر ایک درخت کی آڑ میں غسل کیا، پھر مسجد میں آئے اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگئے اور عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول ﷺ! روئے زمین پر آج سے قبل آپ ﷺ کے چہرے سے زیادہ کوئی چہرہ مجھے مبغوض نہ تھا لیکن آج یہ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ آج سے پہلے آپ ﷺ کے دین سے زیادہ مجھے کسی دین سے عداوت نہ تھی لیکن آج وہ میرے لیے تمام ادیان سے عزیز تر ہے۔ مجھے آپ ﷺ کے شہر سے زیادہ کسی شہر سے دشمنی نہیں تھی مگر آج یہ شہر مجھے تمام شہروں سے زیادہ خوبصورت نظر آتا ہے۔''

اسی مضمون کا ایک واقعہ حضرت صفوان ؓ کا بھی ہے جو مسلمان ہونے سے پہلے اسلام کے سخت دشمن تھے۔ فتح مکہ کے کچھ عرصہ بعد اسلام لائے۔ نبی کریم ﷺ نے تالیف قلب کی خاطر انہیں تین سو اونٹ عنایت فرمائے۔ خود ان کا بیان ہے کہ ''پہلے آپ ﷺ میرے نزدیک مبغوض ترین شخص تھے لیکن اس فیاضی سے محبوب ترین شخص بن گئے۔''

ریاست نبوی ﷺ میں شمولیت

انسانی نفسیات ہے کہ اپنے مفادات اور طرز عمل کے خلاف وہ کوئی بات قبول کرنے کے لیے تیار نہیں

ہوتا۔ اسی طرح جب کسی بات میں وہ سبکی محسوس کرے تو وہ اس کے لیے ذہنی طور پر نا قابل قبول ہوتی ہے چاہے حالات سے مجبور ہو کر عملاً اسے اختیار ہی کیوں نہ کر لے۔

عرب معاشرے میں عمومی طور پر قبائلی نظام رائج تھا۔ قبائل کے اپنے اپنے سردار تھے جو نظم و نسق چلاتے تھے۔ یہ لوگ عزت و تکریم کے خوگر ہو چکے تھے۔ اسلامی ریاست کے استحکام کے لیے ضروری تھا کہ ان سرکردہ افراد کے جاہلی جذبات برانگیختہ نہ ہوں اور وہ اس بات کو محسوس نہ کریں کہ اسلام کی وجہ سے کسی طرح کم تر ہو گئے ہیں۔ چنانچہ جو سردار مسلمان ہوتا اس کو پرانی سیادت پر بحال رکھا جاتا تھا۔

نبی اکرم ﷺ کی اس نفسیاتی تدبیر کی وجہ سے جہاں خود ان افراد کو کسی قسم کی سبکی محسوس نہ ہوئی وہاں عوام کے ذہن بھی مطمئن رہے کہ ان پر کوئی غیر فرد حکومت نہیں کر رہا۔ مزید برآں ان لوگوں کی قبیلہ کے حالات و معاملات سے پوری طرح واقفیت کی وجہ سے انتظامی معاملات احسن طریقے سے چلتے رہے۔

کتب سیرت میں اس طرح کی کئی مثالیں ملتی ہیں کہ آپ ﷺ اہلیت کی صورت میں جاہلی دور کی تقرریوں کو بحال رکھتے تھے۔

جاہلی جذبات (حمیۃ جاہلیۃ)

انسان اپنے عقائد اور نظریات کے بارے میں بڑا حساس اور جذباتی واقع ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر ان کو ٹھیس پہنچے یا اس کے باطل نظریات کی خامیوں کی جانب اس سے براہ راست توجہ دلائی جائے تو اس میں غصہ اور نفرت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ حق کو حق جانتے ہوئے بھی وہ اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے اولین مخاطب وہ لوگ تھے جنہیں قرآن کریم نے قوما لدا (جھگڑالو قوم) کہا ہے۔ یہ لوگ اپنے آباؤ اجداد، روایات، رسومات اور عقائد کے معاملے میں بہت حساس تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس قوم کے تزکیہ و تربیت میں ان کی عادات اور جائز رسومات کو پیش نظر رکھا تا کہ ان میں ضد اور ہٹ دھرمی کے جذبات فروغ نہ پائیں۔ اس ضمن میں کتب سیرت میں یہ بات ملتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی دلی خواہش تھی کہ کعبہ کو حضرت ابراہیمؑ کی مقرر کردہ بنیادوں پر تعمیر کرائیں مگر اس مقصد کی خاطر آپ ﷺ نے پرانی عمارت کو گرانے سے اجتناب فرمایا کیونکہ اس وقت اکثر لوگ نو مسلم تھے اور ایسا کرنے سے ان کی جاہلی حمیت بھڑک اٹھنے کا اندیشہ تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ سے فرمایا:

"اگر تیری قوم سے زمانہ کفر قریب نہ ہوتا تو میں کعبہ کو منہدم کر کے اسے ابراہیمؑ کی بنیادوں پر تعمیر کرتا۔"

قول لیّن

قرآن کریم میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی حکایت میں یہ بات کہی گئی ہے کہ جب ان کو فرعون کے سامنے پیغام ربانی لے جانے کی ہدایت دی گئی تو یہ حکم ملا:

"تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ، اس نے سرکشی کی ہے۔ اس سے نرم گفتگو کرنا شاید وہ نصیحت قبول کرے یا (خدا سے) ڈرے۔"

نبی اکرم ﷺ کے الطاف اور نرمی کو قرآن کریم نے یوں بیان کیا ہے:

"اللہ کی رحمت ہے کہ آپ ﷺ ان پر نرم خو ہیں اور اگر آپ ﷺ درشت خو اور سخت دل ہوتے تو لوگ آپ ﷺ کے گرد اگرد سے بھاگ جاتے۔"

ایک قحط زدہ قبیلے کی مدد کرنے کے لیے ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے ایک یہودی زید بن سعنہ سے کچھ قرض لیا۔ ابھی وعدے کا وقت پورا نہیں ہوا تھا کہ اس نے قرض کی واپسی کا تقاضا شروع کر دیا اور نہایت درشتی اور بدکلامی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنے لگا: "اے عبدالمطلب کے خاندان والو: تم ہمیشہ یوں ہی حیلے بہانے کیا کرتے ہو۔" حضرت عمرؓ، جو اس مجلس میں موجود تھے، غصہ سے بے تاب ہو گئے اور اس کی طرف منہ کر کے کہا: "او خدا کے دشمن! تو رسول اللہ کی شان میں گستاخی کرتا ہے؟" نبی اکرم ﷺ یہ سن کر مسکرائے اور فرمایا: "عمر! تمہیں چاہیئے تھا کہ اسے حسن طلب اور مجھے حسن اداء کی تلقین کرتے۔ پھر آپ ﷺ نے نہ صرف وہ قرض واپس فرمایا بلکہ اسے دو من کھجوریں زیادہ بھی دیں۔ آپ ﷺ کے اس الطاف اور مہربانی کا یہودی پر یہ اثر ہوا کہ وہ مسلمان ہو گیا۔

مخالفین کے ساتھ اشتراک و اتحاد کے مسلمہ اصولوں پر گفتگو

مخالفت اور عناد کو ختم کرنے کا ایک نفسیاتی اصول یہ ہے کہ مخالف کو کسی ایسے مسئلہ پر قریب کیا جائے جو مصلح و مربی کے اپنے اور اس کے مخالف کے درمیان غیر اختلافی اور مسلمہ ہو۔ جس کا اثر نفسیاتی طور پر مخالف پر یہ ہوتا ہے کہ کم از کم وہ بات سننے پر آمادہ ہو جاتا ہے اور مخالفت و عناد کی شدت میں کمی ہو جاتی ہے۔

اس نفسیاتی اصول کی بنیاد ہمیں قرآن کریم میں ملتی ہے جس نے اہل کتاب کو خطاب کرنے کے سلسلے میں یہ ہدایت دی:

"(محمد ﷺ) کہہ دیجئے اے اہل کتاب اس چیز کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ کسی کو اس کے ساتھ شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب ٹھہرائے۔"

آیت کریمہ میں اہل کتاب کے سامنے دعوت توحید پیش کی گئی ہے کہ جب اہل کتاب اور مسلمانوں میں توحید ایک بنیادی اصول کی حیثیت سے مسلمہ ہے تو پھر اس کے نتائج اور تقاضوں میں باہم

اختلاف کیوں ہو۔ جب اہل کتاب نے اصل کو مان لیا ہے تو انہیں لازمی نتائج کو بھی تسلیم کرلیں جو اس سے نکلتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے جب ہرقل روم کے نام مکتوب تحریر کروایا تو اس میں یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کے درمیان موجود تصور توحید واضح فرمایا۔ اس مکتوب میں آپ ﷺ نے مذکورہ بالا آیت بھی تحریر فرمائی۔

تالیف قلب کے مختلف طریقوں کا استعمال

تالیف قلب کا معنی ہے "دل جوئی"۔ قرآن کریم میں یہ لفظ سورۃ توبہ میں مذکور ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ ایسے شخص سے، جس کو اسلام کی طرف مائل کرنا مقصود ہو یا ایسے نومسلم سے جس کے اسلام کی پختگی مطلوب ہو، لطف و کرم، امداد و اعانت اور ہمدردی کی جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے رؤسائے مکہ سمیت بہت سے لوگوں کو اس طریقے سے اسلام کا حلقہ بگوش بنایا۔ حنین کی غنیمت کا سارا مال آپ ﷺ نے ان لوگوں میں تقسیم فرمادیا نتیجتاً پھر حق کے خلاف ان کی گردنیں نہ اٹھ سکیں۔ آپ ﷺ نے ابوسفیانؓ اور ان کی اولاد کو تین سو اونٹ اور ایک سو بیس اوقیہ چاندی دی، صفوان بن امیہ کو سو اونٹ دیے۔ اقرع بن حابس، عیینہ بن حصن اور مالک بن عوف کو سو سو اونٹ دیے۔ اسی طرح ان رؤسا کو جنہوں نے قریب زمانے میں اسلام قبول کیا تھا اور ابھی تک اعتقادی طور پر متذبذب تھے، نہایت فیاضانہ انعامات عطا فرمائے۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے کثیر تعداد میں بکریوں کا مطالبہ کیا۔ آپ ﷺ نے اسے بکریاں عطا کیں۔ وہ اپنی قوم کے پاس آکر کہنے لگا۔ "اے میری قوم کے لوگو! مسلمان ہو جاؤ، محمد ﷺ اتنا دیتے ہیں کہ پھر محتاجی کا ڈر نہیں رہتا۔"

تالیف قلب کے جن مختلف طریقوں کو رسول اکرم ﷺ نے تعلیمی و تربیتی عمل میں شامل فرمایا ان میں مالی معاونت کے علاوہ دوسرے طریقے بھی ہیں مثلاً مکتوبات نبوی ﷺ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ عزت و تکریم کے خوگر سلاطین کے ساتھ ان کی نفسیات کے مطابق معاملہ فرماتے اور ان کے ناموں کے ساتھ القابات تحریر فرماتے۔

اسی طرح تالیف قلب کے ضمن میں آپ ﷺ نے مذہبی رواداری کو بہت فروغ دیا۔ آپ ﷺ کے پاس اہل کتاب اور مشرکین قبائل آتے تو آپ ﷺ انہیں مسجد نبوی میں ٹھہراتے، ان کو اپنے طریقے کے مطابق عبادت کی اجازت ہوتی تھی۔ ۹ ہجری کے آخر اور ۱۰ ہجری کے شروع میں عرب کے جن مختلف قبائل کے وفود اسلام قبول کرنے کے لیے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے ان میں نصاریٰ کا "وفد نجران" بہت مشہور ہے۔ یہ وفد ساٹھ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ وفد میں نجران کے دو بڑے سیاسی لیڈر عبدالمسیح اور ایہم کے علاوہ ان کا اسقف (Bishop) ابوحارثہ بھی تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے انہیں مسجد نبوی کے ایک حصے میں ٹھہرایا اور اپنے طریقے کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت بھی عطا فرمائی۔ آپ ﷺ کے اس سلوک کا ایہم کے دل پر اتنا اچھا اثر ہوا کہ اس نے اسلام قبول کرلیا۔

اس سلسلے کا ایک پہلو سیرت طیبہ کی روشنی میں یہ بھی سامنے آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ مخالفین کو ذہنی طور پر اپنے قریب کرنے کے لیے ان کی اچھی باتوں کو سراہتے۔ اسی طرح بعض معاشرتی امور میں آپ ﷺ نے اہل کتاب کے طریقے کی موافقت بھی فرمائی۔

مخالفین کے جائز مطالبات و روایات کا لحاظ

تربیت و اصلاح کے سلسلہ میں لوگوں کی جائز شرائط اور صحیح روایات کا لحاظ رکھنا نبی اکرم ﷺ کے طرز عمل سے ثابت ہے۔ آپ ﷺ تزکیہ و تعلیم میں اس نفسیاتی اصول کا بہت لحاظ فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ جب رسول اکرم ﷺ نے رومیوں کی طرف خط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ اگر خط مہر بند نہ ہوا تو رومی آپ ﷺ کے مکتوب کو نہیں لیں گے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایک انگوٹھی بنوائی جس کا نقش "محمد رسول اللہ" تھا۔

اسی سلسلہ کی ایک مثال اہل طائف کی ہے جنہوں نے مسلمان ہونے سے قبل چند شرائط رکھیں۔ ان میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ طائف کو بھی حرم قرار دیا جائے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کی یہ شرط اور دیگر تمام شرائط منظور فرمالیں۔

فوائد و نتائج

☆ نرمی، محبت اور ہمدردی دلوں کو نرم اور آدمی کو قبول حق پر آمادہ کرتی ہے جب کہ درشتی اور سخت مزاجی، دوری اور مخالفت کا باعث بنتی ہے۔

☆ تعلیم و تربیت کے دوران ہر ایک کو "ایک لاٹھی سے ہانکنے" والا معاملہ نہ کیا جائے۔ نبی اکرم ﷺ معززین اور معاشرہ کے سرکردہ افراد کے ساتھ مصلحتاً امتیازی سلوک بھی فرمایا کرتے تھے۔

☆ کسی معاند یا غیر معاند غیر مسلم کے سامنے اس کے مذہب یا مذہبی پیشوا یا عقیدے کی برائی کرنا نہ صرف اسے حق بات قبول کرنے سے دور کردیتا ہے بلکہ اسے حق کے مقابلے پر لاکھڑا کرتا ہے۔

☆ دوران تعلیم و تربیت قول و فعل کے کسی بھی ایسے انداز سے گریز کیا جائے جو مخاطب کے لیے نفرت و بعد کا سبب بنے۔

☆ نبی اکرم ﷺ غیر مسلموں کے جائز مطالبات، رواجوں اور مذہبی رسومات کا لحاظ فرماتے تھے۔

☆ تالیف قلب کا حکیمانہ اصول اسلامی نظام تزکیہ و تربیت میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ جس سے حق بات مخاطب کے دل میں راسخ ہو جاتی ہے۔

☆ اگر فتنہ کا خوف ہو تو مستحب امور کو ترک بھی کیا جاسکتا ہے۔ ❁

اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ملی یکجہتی

ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمٰن

☆ خداوند قدوس کی تعلیمات کا نزول ابتدائے آفرینش سے حکمت پر مبنی ہے۔ جوں جوں نسل انسانی بلوغت کی منزلوں کو طے کرتی رہی، ذہن انسانی ارتقاء کے مرحلے طے کرتا رہا، اسی مناسبت سے اللہ رب العزت احکام نازل فرماتے رہے۔ اسی لئے پہلے انبیاء کا نزول بھی مختلف اقوام میں ہوتا رہا۔ مختلف زمانوں میں ہوتا رہا۔ ان کا دائرہ عمل اقوام کے لحاظ سے بھی محدود تھا اور زمانے کے اعتبار سے بھی۔

مگر جب انسانیت نے ارتقاء کی آخری منزل میں قدم رکھا۔ ذہن انسانی عروج کو پہنچ چکا، تو سلسلہ رشد و ہدایت کی آخری کڑی، خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے، اور خالق و مالک نے بالصراحت اعلان فرما دیا کہ اب ہمارے مبعوث کئے ہوئے پیغمبر کی تصدیق نہ کسی قوم و آبادی تک محدود ہے، نہ جغرافیائی حدود کی کوئی تقسیم ہے اور نہ ہی یہ آخری پیغام زمانہ کی قید و بند میں محصور ہے بلکہ جب تک خدا کی خدائی قائم ہے، یہی پیغام رشد و ہدایت صراطِ مستقیم کا ضامن ہے۔ اور اب کے بعد نسل انسانی صرف دو گروہوں میں منقسم ہوگی۔ مومن اور کافر، چنانچہ نبی آخرالزماں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت میں رنگ و نسل اور زبان و وطن کے نام پر قائم کی گئی تمام تفریقات کی نفی اور نظریاتی قومیت کے اثبات کا اعلان ہے۔ اسلامی نظریہ حیات پر یقین رکھنے والا خواہ کالا ہو، یا گورا، مشرق کا رہنے والا ہو، یا مغرب کا، عربی ہو یا عجمی، جو زبان بھی وہ بولتا ہے اور جو بھی رنگ اس کی کھال کا ہے وہ ایک عالم گیر امت مسلمہ کا فرد ہے، اسلام کے نزدیک صرف دو قومیں اور دو طبقے ہیں۔ حزب اللہ اور حزب الشیطن۔ جس نے اقرار توحید و رسالت کیا وہ حزب اللہ میں شامل ہو گیا اور جس نے انکار کیا وہ حزب الشیطن کی فہرست میں داخل ہو گیا۔ تاریخ اسلام پر ایک نظر ڈالئے، حضرت سلمانؓ فارس کے رہنے والے ہیں مگر وحدت عقیدہ کے سبب "سلمان منا و اھل بیت" کے عظیم اعزاز سے سرفراز کئے جاتے ہیں، اس طرح حضرت بلالؓ حبش کے رہنے والے ہیں مگر اسلام نے انہیں عزت و احترام کے اس مقام پر فائز کیا کہ امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم ان کے احترام میں کھڑے ہو جاتے ہیں، اور باآواز بلند فرماتے ہیں: بلال سیدنا و مولی سیدنا" بلال ہمارے آقا ہیں اور ہمارے آقا کے غلام ہیں۔" پوری نوع انسانی کی یکجہتی ہو یا صرف ملت اسلامیہ کا اتفاق و اتحاد، اگر بنظر غائر جائزہ لیں تو چند بنیادی عناصر ہیں جو اتحاد و اتفاق کی فضا کو منتشر کرنے کا سبب بنتے ہیں اور وہ معروف ہیں۔ یعنی نسلی تمیز و تفاخر، علاقائی حد بندیاں، لسانی کشمکش اور مذہبی منافرت۔ آخر الذکر کے حوالے سے اسوۂ رسول ﷺ کو ایک نظر دیکھیں تو دنیائے معلوم میں پائے جانے والے تمام فلسفہ حیات سے ممتاز پیغام اسلام آپ کو سنائی دے گا کہ اے مذہب کے نام پر انسانیت کے خون سے ہولی کھیلنے والو" آؤ اس کلمہ واحد پر اس عقیدہ مشترکہ پر جس میں ہمیں کوئی شبہ نہیں، شک نہیں متحد و متفق ہو جائیں، گویا اسلام اور داعی اسلام تمام مذاہب عالم کو ایک پرامن اور فتنہ و فساد سے پاک فضا قائم کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

جو لوگ دین اسلام کے پیروکار ہیں ان کی یکجہتی اور اتحاد و اتفاق کی فضا قائم کرنے کے لئے داعی اسلام ﷺ نے اپنے پاکیزہ اسوہ سے ان عناصر کی بیخ کنی کر دی جو امت کا شیرازہ منتشر کرتے تھے، آپ ﷺ نے ان ھذہ امتکم امۃ واحدۃ فرما کر امت کے افراد کو ایک تسبیح کے دانوں کی طرح یکجا کر دیا اور لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا حمر علی اسود ولا لاسود علی احمر کلکم ابناء آدم و آدم من تراب کا انقلاب آفریں پیغام سنا کر رنگ و نسل کے تمام تفاخر کو خاک میں ملا دیا۔ اس طرح حبش کے رہنے والے سیاہ فام غلام حضرت بلالؓ اور فارس سے تشریف لانے والے سلمانؓ کو سینہ نبوت سے لگا کر علاقائی بنیادوں پر پیدا ہونے والے امتیازات کو فلسفہ اسلام سے یکسر خارج کر دیا۔

فتح مکہ کے موقع پر اخوت اور جغرافیائی حدود سے ماوراء اسلامی معاشرے کے قیام اور نظریہ پر یقین و پختگی کی بنیاد پر ایک نئی قوم کے قیام کا فقید المثال عملی مظاہرہ چشم فلک نے دیکھا۔ آج کا دن تاریخ اسلام کی عظمت و جلالت کا دن ہے۔ دشمنان اسلام کی ایذاء رسانیوں کو صبر و استقلال سے سہنے کے بعد اللہ کے حکم سے اپنے آبائی شہر مکۃ المکرمہ کو خیر آباد کہنے والے آج پوری شان کے ساتھ فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ آج ان فاتحین میں عرب کے مختلف علاقوں کے لوگ مختلف نسل اور نسب رکھنے والے شامل ہیں۔ کعبۃ اللہ کے سامنے عجب منظر ہے، جلیل القدر صحابہ، محبوب خدا ﷺ کے سامنے کھڑے ہیں۔ ابوبکر و عمر، عثمان و علیؓ سب ہی موجود ہیں۔ رؤساء قریش بھی موجود ہیں۔ موافق و مخالف، دوست و دشمن کے مجمع میں جب زبان رسالت ﷺ سے یہ ارشاد ہوتا ہے کہ اے بلال! کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اللہ رب العزت کی تکبیر و تقدیس کا غلغلہ بلند کرو، اذان دو تو فلسفہ اسلام کے اس عملی نمونہ کو دیکھ کر تھوڑی دیر پہلے گالیاں دینے والے عتاب ابن اسود

پکار اٹھتے ہیں کہ اے محمد ﷺ! تھوڑی دیر پہلے مجھے آپ ﷺ سے زیادہ کسی اور سے نفرت نہ تھی اور اب آپ ﷺ سے زیادہ کسی سے محبت نہیں۔

الغرض اسلام ملت اسلامیہ میں یک جہتی کی وہ فضا دیکھنے کا خواہاں ہے جو ان تمام تفرقات سے پاک ہو، جہاں اخوت ہو، مروّت ہو، محبت اور پیار ہو، مسلمان جذبہ ایثار سے سرشار ہو، ایک کا دکھ، سب کا دکھ اور ایک کی خوشی سب کی خوشی کا ساماں ہو۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایمان والوں کا تعلق دوسرے ایمان والوں کے ساتھ ایک مضبوط عمارت کا ہونا چاہیے کہ وہ باہم ایک دوسرے کی مضبوطی کا باعث بنتے ہیں پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دیں۔ یہی وہ مضبوط تعلق تھا، یہی وہ نظریہ تھا، اور اسی کی بنیاد پر یہ جذبہ ایثار کار فرما تھا کہ ہجرت مدینہ کے موقعہ پر مدینہ کے میزبانوں نے مکہ کے مہمانوں کو گلے لگالیا۔ اپنا سب کچھ ان کی خدمت میں حاضر کر دیا، ایک مدنی صحابی نے اپنے مکی بھائی سے عرض کی کہ میری دو بیویاں ہیں، ایک کو طلاق دے دیتا ہوں، اس سے تم نکاح کر لو۔ یہ ہے مواخات مدینہ کا وہ منظر اور یہ ہے ملّی یک جہتی کی وہ مثال کہ جس کی کوئی مثال نہیں۔

ملی یکجہتی کا یہی وہ فلسفہ تھا کہ ایک خاتون کی پکار پر فاتح سندھ محمد بن قاسم دیبل کے ساحل پر آپہنچا تھا۔ کوئی شک نہیں کہ اسلام نے فرد کی حیثیت کو بہت ممتاز کیا ہے۔ فرد ہی اس کا ابتدائی اور حقیقی مخاطب ہے جس طرح وہ تنہا پیدا ہوا ہے اسی طرح اللہ کے احکام و مرضیات پر چل کر اپنی زندگی کو کامیاب بنانا بھی اس کی اپنی انفرادی ذمہ داری ہے اور کل بارگاہِ رب العزت میں اپنے عمل کی جواب دہی کے لئے اسے اکیلے ہی حاضر ہونا ہے، لیکن روح اسلام کو ایک نظر دیکھیے تو آپ یقین کی منزل پر پہنچ کر پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکیں گے کہ اسلام فرد کی اصلاح کے ساتھ ایک صالح اور اسلامی معاشرے کا قیام عمل میں لانا چاہتا ہے جو **امر بالمعروف** اور **نہی عن المنکر** کی ذمہ داریوں کو ادا کرے اور منشائے الٰہی کی تعمیل کے لئے منظم ہو کر باطل قوتوں سے برسر پیکار ہو۔

انسانی زندگی کا وہ شعبہ جسے عرف عام کے لحاظ سے عبادتی شعبہ کہنا چاہیے ایک ایسا شعبہ ہے جہاں اجتماعیت کی رسائی کا تصور بھی مشکل کیا جاسکتا ہے۔ عبادت الٰہی کا نام لیجئے، ذہن آپ سے آپ گوشوں اور تنہائیوں کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔ انسان چاہتا ہے کہ تمام علاقائی دنیا سے آزاد ہو کر گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر وہ اپنے معبود کی عبادت بجالائے لیکن اسلام نے عبادت کے اندر بھی اجتماعیت کا رنگ پیدا کیا۔ نماز جسے دین کے ستون کا نام دیا گیا اور جسے کفر اور اسلام کا مابہ الامتیاز قرار دیا گیا اس کے لئے اتنا ہی کافی نہیں کہ اکٹھے مل کر اور باجماعت ادا کر لی جائے بلکہ بخاری شریف کی حدیث کے مطابق ضروری ہے کہ لوگ صفیں باندھ کر اور کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہوں اور صفیں تیر کی طرح سیدھی ہوں۔ روزہ کو لیجئے! اس میں اجتماعی شان دیکھئے! ایک ہی دن شروع کرنا اور ایک ہی دن عید منانا۔ ایک ہی وقت شروع کرنا اور ایک ہی وقت افطار کرنا۔ یہ مسلمان ملت میں اجتماع اور نظم وضبط کی تعلیم نہیں تو اور کیا مقصود ہیں۔ زکوٰۃ کا فلسفہ ہی یہ ہے کہ **"وترد الی فقراء هم"** اور حج تو اپنے اندر اجتماعیت کی وہ شان رکھتا ہے کہ مذہب کی تاریخ اس کی نظیر پیش نہ کر سکے گی۔ مختلف رنگوں، نسلوں اور مختلف زبانیں بولنے والے لوگ ایک ہی لباس میں ملبوس، ایک ہی معبود حقیقی کی پرستش میں مصروف نظر آتے ہیں اور سب کی زبان پر ایک ہی کلمہ واحد جاری ہوتا ہے۔

"لبیك اللهم لبیك، لا شریك لك لبیك، ان الحمد والنعمته لك والملك" یہ ان احکام کا مجمل خلاصہ ہے جو اجتماعی نظم اور ملی اتحاد کے بارے میں اسلام نے اپنے پیروکاروں کو دے رکھے ہیں، اگر ان ہی چند ارشادات کو غور سے دیکھ لیا جائے تو اجتماعیت کی وہ قدر و قیمت جو اسے اسلام میں حاصل ہے، بڑی حد تک واضح نظر آئے گی۔

ارشاد رسالت مآب ﷺ ہے "جماعت کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رہو اور انتشار سے پوری طرح الگ رہو۔" اگر تمام اہل ایمان کا ایک خاص شیرازے میں بندھا رہنا اور "تفرقہ" سے دور رہنا ضروری ہے، اگر جماعت سے بالشت بھر کی علیحدگی بھی مومن کی گردن کو اسلام کے حلقے سے محروم کر دیتی ہے، اگر ملت کے اتحاد میں رخنے ڈالنے والے کے خون کی کوئی قدر و قیمت نہیں، اگر ملت کے اجتماعی نظام کی حفاظت سے بڑی کوئی عبادت نہیں تو سوچئے وہ کون سا مقام ہے جو اجتماعیت کو ملنا چاہیئے تھا۔

غور فرمایئے! کہ جس دین کی یہ تعلیم ہو، اور جس دین کے داعی کا یہ اسوۂ حسنہ ہو، اس دین کے پیروکار آج کسی خلفشار کا شکار ہیں۔ اس کا شیرازہ کس حد تک منتشر ہو چکا ہے، آج عرب وعجم کی تفریقات پھر سے پیدا ہو چکی ہیں، آج نسل و زبان کے فتنے کی آگ پوری طرح بھڑک چکی ہے۔ مسلمان کے ہاتھ مسلمان کے خون سے رنگین ہیں۔ مسلمان کی آبرو مسلمان کے ہاتھوں محفوظ نہیں۔ ان ہی جغرافیائی، نسلی اور لسانی تنازعات کے سبب مسلمانوں کی واحد نظریاتی مملکت دولخت ہوگئی اور آج پھر مسلمان قائدین نفرتوں کے بیج بو رہے ہیں، وہی عصبیتیں ہم میں پھر عود کر آئی ہیں۔ ایک خدا، ایک رسول اور ایک کتاب پر ایمان لانے والی امت نسل، رنگ، زبان اور علاقائی عصبیتوں کے مختلف خانوں میں بٹ چکی

ہے، ہمارے مسلمان بھائی جو مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے ناپاک عزائم میں ملوث ہیں ان کی نظروں سے شاید یہ ارشاد رسالت مآب پوشیدہ ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''جو شخص اس جماعت کو جب تک وہ متحد ہو، پراگندہ کرنا چاہے اسے بدرجہ آخر تلوار پر رکھ لو خواہ وہ کوئی بھی ہو۔''

دوسری حدیث طیبہ میں ارشاد ہے: ''نہیں ہے وہ ہم میں سے جس نے لوگوں کو کسی عصبیت کی طرف بلایا''

کسی عصبیت کی طرف بلایا یعنی اسلام کی خالص عقلی اور اعتقادی بنائے اجتماعی کو چھوڑ کر مسلمانوں کو ان نسلی یا وطنی، لسانی یا لونی تعصبات میں سے کسی تعصب پر جمع کرنے کی کوشش کی جن پر خدا فراموش اور مادیت کی غلام قومیں بالعموم جمع ہوا کرتی ہیں۔

درحقیقت ان مغرب والوں اور مادہ پرستوں کے پاس ایسا ٹھوس اور مستحکم نظریہ تھا ہی نہیں جو قومیت کی صحیح بنیاد قرار پاتا، چنانچہ انہوں نے رنگ و نسل اور زبان و وطن کو معیار قومیت ٹھہرایا، ہم نے بھی نقالی کرتے ہوئے ایک اسلامی قوم میں کئی قومیں بنالیں اور یہ نہ سمجھ پائے کہ جو فلسفہ حیات مغرب والوں کے لئے آب حیات ہے وہی ہمارے لئے زہر قاتل ہے۔

غور طلب امر یہ ہے کہ اب اتحاد و اتفاق کی فضا کیوں کر قائم کی جاسکتی ہے! اس کے لئے بنیادی طور پر اسلامی فلسفہ قومیت سے آگاہی حاصل کرنا ہے یعنی خود اور اپنے حلقہ میں دوسروں کو اس سلسلے میں تعلیمات اسلام سے متعارف کرانا، خاص طور پر نسل نو کو اسلامی تعلیمات کے زیور سے آراستہ کرنا بنیادی اہمیت کا حامل فریضہ ہے۔ تعلیم کے بعد اس نظریہ کی صداقت پر یقین دوسری بنیاد ہے۔ حق یہ ہے کہ ہمارے ایمان میں پختگی نہیں، ہم اسلامی تعلیمات کا چرچا کرتے ہیں مگر ان کی صداقت پر یقین و اعتماد جب تک ہم ان نظریات کی سچائی کو حرز جاں نہیں بنائیں گے اور ہمارا ایمان قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی مثل غیر متزلزل نہیں ہوگا، اتحاد و اتفاق کی فضا قائم نہیں ہوسکتی۔ عظمت رفتہ اور شوکت پارینہ کا پھر سے حصول مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ آخری چیز ان نظریات کی تقلید ہے، ان پر عمل پیرا ہونا ہے۔ گویا مقصد سے آگاہی، اس کی صداقت پر یقین اور پھر عمل کے لئے عزم صمیم ہی وہ قوتیں ہیں جو امت مسلمہ کو پھر سے متفق و متحد اور ''کانھم بنیان مرصوص'' کا مصداق بناسکتی ہیں۔ ❁

دُرود و سلام کی فضیلت و اہمیت

مزّین رسول ہاشمی

دُعا عبادت کا مغز یا بندگی کا جوہر ہے تو دُرود وسلام دُعا کا جوہر ہے

سورۃ احزاب میں رب کریم کا ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا O

"اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں
نبی ﷺ پر، اے ایمان والو تم بھی خوب
درود بھیجو اُس پر اور سَلام بھیجو سلام کہہ کر۔"

عربی میں صَلٰوۃ کا لفظ رحمت، دعا، مدح وثناء اور درود کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یوں اللہ کی رحمت سے انعام و رحمت فرشتوں کی طرف دعا و مدح اور انسانوں کی طرف حکم ہے۔ کہ وہ بھی حضور ﷺ کے لیے مدح وثناء اور دعا وسلامتی کے خواہاں ہوں۔

سلامتی سے مراد نقائص و عیوب، مصائب و آفات سے سالم وثابت اور محفوظ و مامون رہنا ہے۔ سلام بذاتِ خود ایک احسن دُعا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو عالی مرتبت بنایا اور آپ ﷺ کے ذکر کو بلند فرمایا۔ اذان و اقامت ہو یا نماز یا حج کی پُر سعادت گھڑیاں، جہاں جہاں بھی اللہ کا ذکر ہوتا ہے۔ حضور رسولِ مقبول ﷺ کے اسمِ بابرکت کا نور ساتھ ساتھ بلند ہوتا ہے۔

آپ ﷺ نے اللہ کے دین کے لیے اپنا تن من دھن سب وقف کر دکھایا۔ عزیز و اقارب اور گھر بار چھوڑا۔ اپنوں سے جنگ کی اور اللہ کے حکم کو مقدم رکھا تو ربّ کریم نے بھی زمین و آسمان میں ہر جگہ آپ ﷺ کا ذکر بلند فرمایا۔ بلاشبہ تمام خلائق میں آپ ﷺ سب سے اعلیٰ و اُولیٰ اور آپ ﷺ کا درجہ بلند و بالا ہے مقامِ محمود آپ ﷺ کا مقدر، رحمت، شفاعت اور سلامتی آپ ﷺ کی ذات سے مزّین ہے۔ آپ ﷺ نبی ﷺ، احمدؐ و محمدؐ۔ آپ ﷺ سراجؐ منیرؐ، آپ ﷺ بشیرؐ و نذیرؐ، آپ ﷺ مزمّلؐ و مدثرؐ، آپ ﷺ طٰہٰؐ و یٰسینؐ۔ آپ ﷺ حبیب مصطفیٰؐ، آپ ﷺ ناصرؐ و مجتبیٰؐ، آپ ﷺ حامدؐ و محمودؐ، آپ ﷺ شاہدؐ و مشہودؐ...... صادقؐ و امینؐ، رؤف الرحیمؐ، حقؐ و مبینؐ، طیب وطاہر اور رحمت اللعالمین ﷺ ہیں۔

دُرود وسلام پڑھنے سے حضور سرورِ کائنات ﷺ سے ساتھ رشتہ رحمت استوار ہوتا ہے

زمین و عرش پہ ذکرِ مبین آپؐ کا ہے
کہ جس پہ نازاں ہو یزداں وہ دین آپؐ کا ہے
(شاہد)

حدیث شریف ہے کہ جب سورۃ احزاب کی یہ آیت نازل ہوئی تو ایک شخص نے نبی پاک ﷺ سے درود و سلام کا طریقہ پوچھا اور عرض کیا کہ سلام کا طریقہ تو اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ ہے تو صَلٰوۃ کا طریقہ فرما دیجئے۔ اِس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ O

سبحان اللہ! قربان جائیں ہم اور ہمارا سب کچھ آپ ﷺ کے قدموں پر کہ درود پاک کا طریقہ بھی وہی پسند فرمایا جو سراسر توحید ہے۔ جس میں دعا ہے تو اللہ جل شانہٗ سے اور تقلیدِ درود و برکات ہے تو حضرتِ ابراہیمؑ کی اور اپنی آل و امت کے لیے وہی دعا ہے جو بنی اسرائیل کے پیغمبروں اور نبیوں کے شایانِ شان اور ان کے لیے مانگا گیا۔ خیر و برکات کا معیار اِس سے اعلیٰ و ارفع بھلا کیا ہوگا۔ جو انبیاء کرام کے لیے مختص ہوا ایسی خیر وسلامتی جو حضرت ابراہیمؑ اور آلِ ابراہیمؑ یعنی حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ اور حضرت عیسیٰؑ جسے عالی مرتب پیغمبروں پر ہوئی اور جس کی چند ایک مثالیں، حضرت ابراہیمؑ پر نارِ نمرود کا گل و گلزار بن جانا، حضرت موسیٰؑ کی ضربِ کلیمی سے پانی میں راستہ ہموار ہونا اور دشمنی کا فنا ہونا اور حضرت عیسیٰؑ کا اللہ کی حفاظت میں مکان عالی کی طرف رفیع الشان ہونا شامل ہے۔

کیا خوب ہے یہ درودِ ابراہیمی کہ ایک طرف خالص توحید اور بندگی کا مرقع ہے تو دوسری طرف پوری آلِ رسول ﷺ و امت حبیب ﷺ کے لیے خیر وسلامتی کا منبع اور رحمتوں اور برکتوں کا اتھاہ سمندر ہے۔

جناب رسالت مآب ﷺ نے اسے خود پسند فرمایا اور یہی طریقہ نماز کا حصہ بن گیا۔ صحابہ کرامؓ نے بھی السلام علیک ایھا النبی کا طریقہ سلام کے لیے اور اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کا مسنون طریقہ درود شریف کے لیے اپنایا۔ مومنین فرش پر اور فرشتے عرش پر آنحضور ﷺ پر درود وسلام بھیجتے ہیں

جمہور فقہاً کا اتفاق ہے کہ جب کوئی آنحضور ﷺ کا ذکر کرے یا سُنے تو اُس پر درود شریف واجب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حدیثِ مبارکہ ہے:

"بخیل ہے وہ شخص کہ جس کے سامنے میرا
ذکر آئے اور وہ مجھ پر دُرود نہ بھیجے۔"

پس مستحب ہے کہ جتنی مرتبہ رسول کریم ﷺ کا ذکرِ مبارک آئے دِلی محبت اور ادب و عقیدت کے ساتھ درودِ مبارک پڑھا جائے۔ مسلم معاشرہ سلامتی کا معاشرہ ہے اور جنت الفردوس میں اہلِ معاشرہ کا کلام "سلام" سلام" ہوگا۔ حضور پاک ﷺ پر خیر وسلامتی

بھیجنے کے تو کیا ہی کہنے! مسلمانوں کا آپس میں سلام کہنا، اللہ کو اتنا پسند ہے کہ سلام کا بدل دس گناہ سلامتی میں رکھا۔ آپس کا سلام باہمی محبت اور اخوت بڑھانے کے لیے اتنا اہم ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسے ایمان کا حصہ قرار دیا اور اسے عام کرنے کا حکم دیا۔ اپنے بارے میں تو یہاں تک ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں (یعنی رسول اللہ ﷺ) اُس کے لیے، اُس کے ماں باپ، اولاد اور تمام دوسروں کے مقابلے میں محبوب ترین نہ ہو جاؤں۔

ربِّ ذوالجلال نے سورۃ توبہ کی آیت نمبر 24 میں نہایت واضح انداز میں اس بات کی توثیق و تصدیق اور تنبیہ فرمائی۔

"آپ فرما دیں کہ اگر تمہارے آبا و اجداد اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور کمائی کے مال اور وہ سودا اور تجارت جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہاری پسند کے مکانات، تمہیں اللہ اور اُس کے رسول اور اُس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہوں تو انتظار کرو حتیٰ کہ اللہ اپنا حکم ظاہر کر دے اور اللہ فاسقوں کو ہدایت کی راہ نہیں دکھاتا۔"

نبی کریم ﷺ کے ساتھ ساتھ صالحین پر سلامتی بھیجنا اور اپنے والدین اور مومنین کے لیے دُعائے مغفرت، نماز میں قعدہ کا لازمی حصّہ ہے۔ درودِ پاک کی اہمیت کا ثبوت اس سے بڑھ کر بھلا اور کیا ہو گا کہ نماز جو معراج المومنین اور عین بندگی ہے اس میں نبی کریم ﷺ اور آلِ رسول پر درود و سلامتی ایسے مانگی گئی جیسے آلِ ابراہیمؑ پر۔ کہ دُرودِ ابراہیمی توحید خالص اور وہ بہترین دُعا ہے۔ جسے حضور نبی کریم ﷺ نے خود پسند فرمایا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے دُعا کو عبادت کا مغز اور بندگی کا جوہر قرار دیا۔ اور ہمارے نزدیک درودِ ابراہیمی دُعا کا جوہر ہے۔

بقا و فلاح سلامتی کی مرہونِ منت ہوتی ہے اور ازلی و ابدی رحمت و سلامتی کا اصل منبع بلاشبہ حضور اقدس ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ لہٰذا پوری کائنات کی بقا اور سلامتی، آپ ﷺ کی سلامتی سے ہے۔ جب اللہ سے اُس کے محبوب ﷺ کی سلامتی مانگی جائے تو جواباً کئی گنا سلامتی نصیب ہو گی اور نبی رحمت ﷺ کے ساتھ رشتہ رحمت و برکت استوار ہو گا۔ پس ابدی فلاح و سلامتی کے حصول کا آسان ذریعہ حضور ﷺ سے وفا و محبت ہے۔

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

جس طرح اللہ کا ذکر کرنے اور اُس کی طرف رجوع کرنے سے اللہ کا قرب و لقاٗ نصیب ہوتا ہے اسی طرح درود و سلام سے نبی اکرم ﷺ کا قرب و دیدار ملتا ہے۔ اور جس طرح رجوع اِلی اللہ کا افضل

دُرود وسلام فلاح وسلامتی کے حصول کا آسان اور موثر ذریعہ ہے

طریقہ ذکرِ الٰہی ہے۔ بعینہٖ نبی کریم ﷺ کی رحمت و شفقت، شفاعت و محبت کے حصول کا آسان طریقہ محبت و عقیدت کے ساتھ درود وسلام بھیجنا ہے۔ جس طرح اللہ کے ذکر سے ایک مومن میں روحانی طاقت اور رحمانی صفات پیدا ہوتی ہیں اسی طرح درود شریف کی برکت سے مومن کے دل میں عفوو درگزر، حلیمی، سلیمی، رؤفی و رحیمی کی صفات جنم لیتی ہیں اور خمیر میں لطافت، صداقت و امانت اور محبت و شرافت کے اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔ مومن اللہ کو یاد کرے گا تو اُس کی محبت وصفات کا امین کہلائے گا۔ حضور ﷺ پر درود و سلام بھیجے گا تو پیکر لطف و شرف بن جائے گا۔ حضور ﷺ کی توجہ میں پرورش پائے گا اور آپ ﷺ کے فیضان سے سرشار رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو جس سے محبت کرے گا۔ قیامت کے روز اُسی کے ساتھ اُٹھایا جائیگا۔ پس مژدہ ہے اُن خوش نصیبوں کے لیے جو نبی رحمت ﷺ کے متوالے ہیں اور دن رات محبوب ربّ المشرقین والمغربین کی یاد اپنے سینوں میں بسائے آپ ﷺ کے حضور درود و سلامتی کے پھولوں کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ آخرت میں عقیدت و محبت کا یہی ہدیہ حضور ﷺ کے قرب، اُنکی شفقت و شفاعت اور سایہِ رحمت کا موجب ہو گا۔ اللہ کے محبوب سے محبت کرنے والے اللہ کے محبوب ہونگے جب محبت سچی ہو تو رشتے امیر ہو جاتے ہیں۔

اس لیے یہ بات یاد رکھیں کہ ذکر الٰہی اور درود شریف کا مقصد اُولیٰ حاجت روائی اور مشکل کُشائی نہیں بلکہ یہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے قرب کا ذریعہ ہیں۔ یہ خالص عبادت اور بندگی ہے اور اس کے اصل مقاصد و محاصل اللہ کی رضا اور خوشنودی اور رضائے رسول کریم ﷺ ہے جو انسان کی دائمی فلاح و بقا اور سلامتی کی اصل ضمانت ہے۔ اس لیے ذکر الٰہی اور درودِ پاک کو اللہ کی عبادت اور بندگی سمجھو۔ ربّ العزت سبحان اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تسبیحات کی طرح درودِ پاک بھی رب کریم کے اُن احکام میں سے ہے جن پر عمل پیرا ہوئے بغیر کوئی مسلمان مومن نہیں بن سکتا۔ درودِ پاک کی برکت سے طبیعت کو نرمی، روح کو بالیدگی، نفس کو پاکیزگی اور قلب کو خشیت نصیب ہوتی ہے اور یہی ایمان مکمل کی نشانی ہے۔

اربوں اربوں درود، کھربوں کھربوں سلام نبی رحمت رؤف الرحیم پر کہ درودِ پاک حضور رسولِ مقبول ﷺ کے لیے اللہ کا خاص انعام فرشتوں کی طرف سے اعترافِ مقام و مدحِ رسول ﷺ اور ہم عاجز و مسکین بندوں کی طرف سے ھدیہ سلام و ثناء ہے

سلام اس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی
سلام اس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا

عدم برداشت کا قومی و بین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبوی ﷺ

ڈاکٹر حافظ محمد ثانی

☆ ۱۶ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو اقوام عالم کے نمائندوں نے یونیسکو (عالمی ادارہ برائے ثقافت وسائنس) کے منشور پر دستخط کیے۔ جس میں علاوہ دیگر مقاصد کے ایک مقصد یہ بھی شامل تھا!

''مفاہمت، یگانگت، برداشت اور رواداری کو افراد کے درمیان اور لسانی، سماجی، ثقافتی اور مذہبی گروہوں اور خود مختار قوموں کے درمیان بدرجہ اتم فروغ دینا ہماری ذمہ داری ہوگی، یونیسکو کا ادارہ اپنے اس عہد کی تکمیل کے لیے یعنی امن، اخوت، محبت، آتشی اور برداشت کو عام کرنے کے لیے اپنی رکن حکومتوں پر برابر زور دیتا رہتا ہے کہ ہم نے جو عہد نصف صدی پہلے کیا تھا اسے پورا کرنے کے لیے مستعدی سے اپنا کردار ادا کریں۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو جب اس عہد نامے کے پچاس سال پورے ہوگئے تو دنیا بھر میں برداشت اور رواداری کا دن منایا گیا اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی اور اس کے پیغام کو دور دور تک پھیلانے کے لیے ابلاغ کے ذرائع استعمال کیے گئے۔

یونیسکو کا قیام اور اس کے منشور کی منظوری اس لیے ناگزیر تھی کہ دنیا دوسری عالمی جنگ کے باعث اپنے خون میں نہا کر نکلی تھی اور اپنے کھنڈر پر نظر ڈالتے ہوئے ایک نئے عہد کی تعمیر کو لازمی سمجھ رہی تھی، اس نے یہ بھی سیکھا تھا کہ جنگ جو عدم برداشت کا نتیجہ ہے کسی مسئلے کا حل نہیں۔ مسائل افراد کے درمیان ہوں یا اقوام کے درمیان ان کا حل امن، صلح، برداشت اور رواداری میں ہے۔

اس حقیقت میں کوئی شک نہیں کہ برداشت اور رواداری رواں صدی کا قومی اور بین لاقوامی سطح پر تمام ممالک اور مذاہب کا مشترکہ مسئلہ اور حل طلب موضوع ہے۔ برداشت اور رواداری کے عملی اظہار اور اس کے نفاذ کی جتنی ضرورت عہد حاضر میں محسوس کی جارہی ہے وہ مخفی نہیں۔ تاہم برداشت، ضبط وتحمل اور رواداری کے بلند بانگ دعوؤں اور تقاضوں کے باوجود یہ بھی ایک عملی حقیقت ہے کہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر عدم برداشت کا جو عملی مظاہرہ موجودہ دور میں نظر آرہا ہے وہ عہد جدید کی مہذب دنیا کے لیے سب سے بڑا چیلنج ہے۔ جس میں نسلی امتیاز، انسانی حقوق، علاقائی، قومی، مذہبی اور فرقہ وارانہ منافرت اور مذہبی تعصب و تنگ نظری، برداشت، تحمل اور رواداری کے طالب ہیں۔

قومی سطح پر عدم برداشت کا عملی مظاہرہ بدقسمتی سے ہماری موجودہ تاریخ کا حصہ بن چکا ہے۔ چنانچہ آج مذہبی، مسلکی، علاقائی، نسلی، لسانی اور فرقہ وارانہ تعصبات اور اس کے نتیجہ میں دہشت گردی اور قتل و غارت گری اور قیمتی انسانی جانوں کا ضیاع حد درجہ قابل مذمت اور افسوسناک عمل ہے جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ عدم برداشت کا فقدان کے باعث قومی سطح پر لسانی اور فرقہ وارانہ تعصبات کی بنیاد پر تادم تحریر ہزاروں قیمتی انسانی جانوں کا ضیاع ہو چکا ہے اور یہ عمل ایسے ملک میں رونما ہو رہا ہے جو خالصتاً اسلامی نظریے کے تحت وجود میں آیا۔ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے نام لیواؤں کے لیے عدم برداشت کا یہ عمل حد درجہ افسوس ناک ہے۔

اسلام تو ہمیں یہاں تک تعلیم دیتا ہے کہ:

''مسلمانو! جو لوگ اللہ کے سوا معبودانِ باطل کی پرستش کرتے ہیں ان کو برا نہ کہو۔ یہ لوگ نادانی سے اللہ کو برا کہنے لگیں گے۔''

جبکہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ امت محمد ﷺ رحمن و رحیم کی راہنما ہدایات وتعلیمات کو فراموش کر کے فرقہ وارانہ تعصبات اور رنگ ونسل کے تنازعات میں پڑ کر عدم برداشت کے قابل مذمت راستے پر گامزن ہے۔

قومی سطح پر عدم برداشت کے افسوسناک رجحان کے نتیجہ میں ملک میں دہشت گردی، قتل و غارت گری، نسلی اور لسانی عصبیت، مذہبی منافرت اور خودکشی وخود سوزی جیسے واقعات ہماری روزمرہ زندگی کا لازمی حصہ بن چکے ہیں۔

بین الاقوامی سطح پر عدم برداشت کے مناظر دنیا کے ہر خطے میں عام ہیں۔ تاہم عدم برداشت کے نتیجہ میں ظلم و بربریت اور سفاکی و درندگی کا شکار ہونے والے بیشتر خطوں کے باشندے رسول رحمت ﷺ کے نام لیوا اور امتی ہیں۔ چنانچہ آج مغرب کی انسانی حقوق، تہذیب وتمدن، برداشت اور رواداری کی علمبردار دنیا عدم برداشت اور اسلام دشمنی کے موروثی نظریات کے تحت دوہرا معیار قائم کیے ہوئے ہے۔ چنانچہ اسلامی خطوں اور مسلم اقلیتوں پر عدم برداشت کے عمل کے نتیجہ میں کشمیر، فلسطین، عراق، بوسنیا، کوسووو میں جارحیت اور سفاکیت و درندگی کا وحشیانہ رقص ابلیس جاری ہے، رواں صدی میں دو عظیم عالمگیر جنگوں کے بعد عدم برداشت کے افسوسناک رویہ کے نتیجہ میں انسانی دنیا تیسری عالمی جنگ کے دہانہ پر کھڑی ہے۔

عدم برداشت کے بین الاقوامی رجحان کے نتیجہ میں انسان دوستی اور عالمی امن کی علمبردار مغربی دنیا نے ۱۴ اگست ۱۹۱۴ء کو جنگ عظیم اوّل کا میدان جنگ گرم کیا جو بعد ازاں ۱۵۶۵ دنوں تک جاری رہی۔ جس

میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد تقریباً ۹ ملین، شدید زخمی ہونے والوں کی تعداد ۲۲ ملین، اپاہج اور معذور ہو جانے والوں کی تعداد ۲۵ ملین بتائی جاتی ہے۔ یہ اعداد وشمار میدان جنگ کے ہیں۔ جبکہ شہروں میں مرنے اور زخمی ہونے والے افراد کی تعداد جنگ سے کہیں زیادہ ہے۔ اس جنگ پر ہونے والے اخراجات سے بلجیک، بلجیم، روس، امریکہ، جرمنی، کینیڈا اور آسٹریلیا کے مکینوں کے لیے تمام آسائشوں اور لوازمات کے ساتھ ایک مکان بنایا جاسکتا تھا۔

انسانیت کے خلاف عدم برداشت کے بین الاقوامی رجحان کے نتیجہ میں ہونے والی اس جنگ میں ساڑھے چھ کروڑ افراد دھکیلے گئے، ایک کروڑ فوجی میدان میں مارے گئے۔ ڈیڑھ کروڑ شہری قتل ہوئے۔ دو کروڑ سے زائد افراد دائمی معذور ہوئے۔ لاکھوں بچے یتیم ہوئے۔ پچاس لاکھ عورتیں بیوہ ہوئیں، لاکھوں عورتیں، بچے، فوجی اور شہری لاپتہ ہوئے۔

جبکہ دوسری عالمی جنگ میں ۳۵ ملین انسان ہلاک ہوئے، ۲۰ بلین ہاتھ پاؤں سے معذور ہوئے، ۷ ملین لیٹر خون زمین پر بہایا گیا۔ ۱۲ ملین حمل ساقط ہوئے، ۱۳ ہزار پرائمری، سیکنڈری اسکول، ۶ ہزار یونیورسٹیاں، ۸ ہزار لیبارٹریاں ویران ہوگئیں۔

امریکہ اور جاپان کی جنگ ۱۹۴۵ء میں امریکہ کی طرف سے جاپان پر دو چھوٹے بم گرائے گئے۔ جس سے ہیروشیما میں ۷۰ ہزار افراد اور ناگاساکی میں ۴۰ ہزار افراد ہلاک ہوئے اور اتنے ہی زخمی ہوئے۔

بین الاقوامی سطح پر عدم برداشت کا عملی مظاہرہ ایک موقع پر اس وقت دیکھنے میں آیا جب مغرب کی مہذب دنیا کے اتحادی ممالک نے عراق کے خلاف جنگ میں ۴۲ دنوں میں ۸ ہزار ٹن بارود برسایا جو ہیرو شیما پر گرائے جانے والے بارود سے ساڑھے سات گنا زیادہ تھا۔ امریکی وزارت خارجہ پنٹاگون کے مطابق ایک لاکھ دس ہزار بم برسائے گئے یعنی ۴۲ دنوں میں اس جنگ میں اوسطاً ہر دو منٹ بعد ایک بم گرایا گیا اور یہ سارے بم جنگی نوعیت کی اہمیت والی جگہوں کے علاوہ کنوؤں، پانی کے ذخیروں اور رہائشی مقامات پر گرائے گئے۔ عدم برداشت کے بین الاقوامی رجحان کی بدترین مثال اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کا ۱۶ اگست ۱۹۹۰ء کا فیصلہ اس سے بھی زیادہ بھیانک نتائج لایا جس کے نتیجہ میں عراق پر تجارتی پابندی عائد کیے جانے کے نتیجہ میں پانچ سال کے اندر اندر پانچ لاکھ عراقی باشندے موت کے منہ میں چلے گئے، ۵ سال اور اس سے کم عمر کے ساڑھے تین لاکھ بچے لقمہ اجل بن گئے۔

اسلام، پیغمبر اسلام اور عہد نبوی ﷺ کی فتوحات پر اعتراض اور نکتہ چینی کرنے والی مغرب کی مہذب دنیا کے لیے عدم برداشت کے عمل کے نتیجے میں انسانی جانوں کا اتنا بڑا نقصان تازیانہ عبرت ہے، جنگ عظیم اوّل، جنگ عظیم دوم، ناگاساکی، ہیروشیما اور عراق پر جنگ مسلط کرنے والوں کو عہد نبوی کی فتوحات پر اعتراض کا کوئی حق نہیں۔

اسلامی دنیا کے معروف محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے عہد نبوی کے غزوات وفتوحات اور جنگی مہمات کے مکمل اعداد وشمار ذکر کیے ہیں وہ لکھتے ہیں:

رسالتمآب ﷺ کی وفات کے وقت مدینہ ایک شہری مملکت نہیں بلکہ ایک وسیع مملکت کا دارالسلطنت تھا، اس وسیع سلطنت کا تاریخی رقبہ شواہد کی رو سے تین ملین یعنی تیس لاکھ مربع کلومیٹر بن چکا تھا۔ دوسرے الفاظ میں دس سال تک اوسطاً روزانہ کوئی ۸۴۵ کلومیٹر علاقے کا ملک کے رقبہ میں اضافہ ہوتا رہا۔ سلطنت کی یہ توسیع کچھ تو پرامن ذرائع سے ہوئی اور کچھ جنگوں کے نتیجہ میں آنحضرت ﷺ کے غزوات وسرایا کے متعلق دیگر تفصیلات کے علاوہ مقتولین اور شہداء کے اعداد وشمار بھی ہمارے سامنے موجود ہیں۔

دس سال میں ایک سو بیس مہینے ہوتے ہیں تو ایک سو بیس کے دوگنے دو سو چالیس آدمی بھی ان لڑائیوں میں نہیں مرے۔ دشمن کے مقتولین کی تعداد اس سے کم تھی، مسلمانوں کے شہداء کی تعداد دشمن کے مقتولین سے بھی کم تھی۔ بہرحال بحیثیت مجموعی میدان جنگ میں قتل ہونے والے دشمنوں کی تعداد مہینے میں دو سے بھی کم ہے۔

تعلیمات وسیرتِ نبوی ﷺ

ہادی آخری واعظم، سید عرب وعجم، رحمتِ عالم حضرت محمد ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں آپ ﷺ کی پوری حیات طیبہ برداشت، رحمت ورافت، صبر وضبط، عفوو درگزر اور رواداری وتحمل وبرداشت سے عبارت ہے۔

رسالتمآب ﷺ حسن اخلاق کے بلند ترین مقام پر فائز تھے۔ قرآن کا بیان ہے۔

''آپ ﷺ اخلاق کے اعلیٰ مرتبہ پر ہیں۔''

آپ ﷺ کی سیرت اور حیات طیبہ کا ہر شعبہ امت مسلمہ کے لیے مثالی راہ عمل اور لائق اتباع ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

''درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے۔''

مشرکین مکہ، منافقین مدینہ اور یثرب کے یہودیوں نے آپ ﷺ کو جیسا کچھ ستایا اور گوناگوں تکلیفیں اور اذیتیں پہنچائیں ہیں ان کا اندازہ آپ ﷺ کے حسب ذیل بیان سے لگایا جاسکتا ہے:

''مجھے اللہ کے راستے میں ایسا ستایا گیا ہے کہ انبیاء میں سے کوئی نہیں ستایا گیا۔''

اعلان نبوت کے بعد بیشتر اہل مکہ آپ ﷺ کے بدترین دشمن بن چکے تھے اور دشمنی کے اظہار میں ایذا رسانی اور ظلم وستم کا کوئی طریقہ اور موقع ہاتھ سے نہ

جانے دیتے تھے۔ تاہم مشرکین مکہ میں جو لوگ آپ ﷺ کی دشمنی، عداوت اور اظہار نفرت میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

''ابوجہل بن ہشام، ابولہب، اسود بن یغوث، حارث بن قیس، ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف، ابی بن خلف، ابوقیس بن الفاکہ، عاص بن وائل، نضر بن الحارث، منبہ بن حجاج، زہیر بن ابی امیہ، سائب بن صیفی، اسود بن عبدالاسد، عاص بن سعید عاص بن ہاشم، عقبہ بن ابی معیط، حکم بن العاص، ابن الاصدی، عدی بن حمراء۔

مذکورہ بالا میں سے اکثر و بیشتر آپ ﷺ کے پڑوسی اور صاحب عزت و وجاہت تھے۔ آپ ﷺ سے نفرت اور دشمنی کے اظہار میں ہمہ وقت سرگرم رہتے، شب و روز یہی مشغلہ اور یہی دھن تھی، ان مثالی اور بدترین دشمنوں میں بھی ابوجہل، ابولہب اور عقبہ بن ابی معیط دشمنی میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔

ہادی آخر و اعظم، سید عرب و عجم حضرت محمد ﷺ کو تبلیغ دین اور اعلاء کلمۃ الحق کی پاداش میں مشرکین مکہ کے سخت ترین مظالم اور ایذاء رسانی کے باوجود برداشت اور عفو و درگزر کا حکم ہوا۔

درگزر کا شیوہ اختیار کرو اور لوگوں کو نیک کام کرنے کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کش رہو۔ ایک اور موقع پر ارشاد ہوا:

''(اے پیغمبر آپ ﷺ کے ساتھ جو برائی کرے) اس کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کریں جو بہت ہی اچھا ہو وہ آپ ﷺ کی نسبت جو کچھ کہا کرتے ہیں اس سے ہم خوب واقف ہیں۔''

برداشت، صبر و ضبط، نرمی اور نرم خوئی ہادی آخر و اعظم اور توحید کے داعی اکبر حضرت محمد ﷺ کو رحمت الٰہی نے خاص طور پر اس کا حصہ وافر عنایت فرمایا تھا خود عفو و درگزر اور صبر و برداشت کے مثالی پیکر حضور انور ﷺ کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا:

''تو اللہ کی رحمت کے سبب تم ان کے لیے نرم دل ہوئے اور اگر تم مزاج کے اکھڑ اور دل کے سخت ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے تتر بتر ہو گئے ہوتے۔''

سید المرسلین، رحمۃ للعالمین ﷺ کی سیرت طیبہ میں رافت و رحمت اور ضبط و برداشت کا وصف سب سے نمایاں طور پر ودیعت کیا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو خاص اپنی رحمت کا نتیجہ قرار دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ برداشت، رحمت و رافت، حلم و بردباری، عفو و درگزر، چشم پوشی اور خوش خلقی، غرض ان تمام اخلاق جمیلہ کے عطر کا نام جن میں شان جمال پائی جاتی ہے آپ ﷺ کی ہی ذات ستودہ صفات میں بدرجہ کمال و تمام موجود تھیں۔ یہی برداشت، رحمت و رافت، رفق و تلطف اور نرم دلی و نرم خوئی ہے۔ جس سے انسان کا اخلاقی حسن دو چند ہو جاتا ہے۔

نزول وحی اور اعلان نبوت کے بعد دعوت عام کے موقع پر آپ ﷺ کے نہایت قریبی عزیز حقیقی چچا ابولہب عبدالعزیٰ نے کہا! تبا لک لھذا اجمعتنا؟ (معاذ اللہ) تم برباد ہو اس مقصد کے لیے ہم سب کو یہاں جمع کیا۔

اس کے جواب میں سورہ لہب نازل ہوئی اور قریش کی طرف سے ذہنی، جسمانی اور روحانی تکالیف پہنچانے کا آغاز ہوا اور وہ آپ ﷺ کی مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوئے۔

''معجم طبرانی'' میں منیب غامدی سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ لوگوں کو یہ فرماتے تھے۔ اے لوگوں! لا الہٰ الا اللہ کہو فلاح پا جاؤ گے مگر بعض بدنصیب تو آپ ﷺ کو گالیاں دیتے تھے اور آپ ﷺ پر تھوکتے تھے اور بعض آپ ﷺ پر خاک ڈالتے، اسی طرح دوپہر ہو گئی اس وقت ایک لڑکی پانی لے کر آئی اور آپ ﷺ کے چہرہ انور اور دست اقدس کو دھویا میں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا! یہ آپ ﷺ کی صاحبزادی زینبؓ ہیں۔

بخاری نے اس حدیث کو مختصراً اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ یہ حدیث حارث بن حارث غامدی سے بھی مروی ہے اس میں اس قدر اور اضافہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت زینبؓ سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا! اے بیٹی تو اپنے باپ کے بے عزت ہونے کا خوف مت کر۔

طارق بن عبداللہ المحاربیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بازار ذی المجاز میں دیکھا کہ آپ ﷺ یہ فرماتے جاتے تھے کہ اے لوگو! لا الہٰ الا اللہ کہو فلاح پا جاؤ گے اور ایک شخص آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے پتھر مارتا جاتا تھا جس سے جسم مبارک خون آلود ہو گیا، وہ ساتھ ساتھ کہتا جاتا تھا۔ اے لوگو! ان کی بات نہ سننا یہ جھوٹے ہیں۔

بنی کنانہ کے ایک شیخ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو بازار ذی المجاز میں دیکھا آپ ﷺ یہ فرماتے تھے اے لوگو! لا الہٰ الا اللہ کہو کامیاب ہو جاؤ گے اور ابوجہل آپ ﷺ پر مٹی پھینکتا اور یہ کہتا جاتا تھا: اے لوگو! تم اس کے دھوکے میں نہ آنا یہ تم کو لات اور عزیٰ سے چھڑانا چاہتا ہے اور آنحضرت ﷺ اس کی طرف ذرہ برابر بھی التفات نہ فرماتے تھے۔

حضرت عروہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک موقعہ پر عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے کہا کہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو جو تکالیف پہنچائی ہو اس کا ذکر کرو، تو عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے فرمایا کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ حطیم میں نماز ادا فرما رہے تھے عقبہ بن ابی معیط نے آپ ﷺ کی گردن مبارک میں کپڑا ڈال کر اس قدر زور سے کھینچا کہ گلا گھٹنے لگا سامنے سے حضرت ابوبکرؓ آگئے اور عقبہ کو دھکا دے

کر آپ ﷺ کو چھڑایا۔

ابولہب کے بیٹے عتبہ اور عتیبہ نے آپ ﷺ کی صاحبزادیوں حضرت ام کلثومؓ اور سیدہ رقیہؓ کو طلاق دی۔ ابولہب کی بیوی ام جمیل آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھاتی ہے اور راہ میں پتھر لیے کھڑی رہتی۔

آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے خانوادہ قریش کا تین برس تک ۷ء نبوت سے ۱۰ء نبوت تک سوشل بائیکاٹ کیا گیا۔ چنانچہ معصوم بچوں کے لیے کھانے پینے کی چیزیں تک بھیجنا ممنوع تھا۔ بھوک پیاس سے بچوں کے رونے اور بلبلانے کی آوازیں آتی تھیں لیکن قریش کا دل نہیں پسیجتا تھا۔

حضرت عثمان بن عفانؓ سے روایت ہے کہ ایک بار میں نے رسول اللہ ﷺ کو طواف کرتے دیکھا آپ ﷺ طواف فرما رہے تھے اور عقبہ بن ابی معیط، ابو جہل اور امیہ بن خلف حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے جب آپ ﷺ ان کے سامنے سے گزرے تو انہوں نے کچھ نازیبا کلمات آپ ﷺ کو سنا کر کہے، آپ ﷺ دوسری مرتبہ ادھر سے گزرے تب بھی انہوں نے ایسا ہی کیا جب آپ ﷺ تیسری مرتبہ گزرے تو پھر اسی قسم کے بے ہودہ کلمات کہے تو آپ ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور ٹھہر گئے۔

غمگسار چچا حضرت ابو طالب کی وفات کے بعد آپ ﷺ کا کوئی حامی اور مددگار نہ رہا اور حضرت خدیجہؓ کے رخصت ہو جانے سے کوئی تسلی دینے والا اور غمگسار نہ رہا۔ شوال ۱۰ نبوی میں طائف کا قصد فرمایا کہ شاید یہ لوگ اللہ کی ہدایت کو قبول کریں اور اس کے دین کے حامی اور مددگار ہوں۔ زید بن حارثہؓ کو ہمراہ لے کر طائف تشریف لے گئے۔

عبد یالیل، مسعود حبیب ان تینوں بھائیوں پر جو وہاں کے سرداروں میں سے تھے اسلام پیش کیا بجائے اس کے کہ کلمہ حق کو سنتے، نہایت سختی سے آپ ﷺ کو جواب دیا۔ ایک نے کہا! کیا خدا نے کعبہ کا پردہ چاک کرنے کے لیے تجھ کر نبی بنا کر بھیجا ہے؟ ایک نے کہا! کیا خدا کو اپنی پیغمبری کے لیے تمہارے سوا اور کوئی نہیں ملا؟ ایک نے کہا! خدا کی قسم میں تم سے کلام ہی نہیں کروں گا۔ اگر واقعی اللہ نے تمہیں رسول بنا کر بھیجا ہے تو تمہارے کلام کو رد کرنا سخت خطرناک ہے۔ اور اگر تم اللہ کے رسول نہیں تو پھر قابل خطاب اور التفات نہیں اور بعد ازاں اوباش اور بازاری لڑکوں کو اکسا دیا کہ وہ آپ ﷺ پر پتھر برسائیں اور آپ ﷺ کی ہنسی اڑائیں، ظالموں نے اس قدر پتھر برسائے کہ آپ ﷺ زخمی ہو گئے۔ جب آپ ﷺ زخموں کی تکلیف سے بیٹھ جاتے تو یہ بدنصیب آپ کے بازو پکڑ کر دوبارہ پتھر برسانے کے لیے کھڑا کر دیتے اور ہنستے۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک بار عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ پر کیا احد سے بھی زیادہ سخت دن گزرا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! تیری قوم سے جو تکلیفیں پہنچیں سو پہنچیں، لیکن سب سے زیادہ سخت دن وہ گزرا جس دن میں نے اپنے آپ کو عبد یالیل کے بیٹے پر پیش کیا اس نے میری بات کو قبول نہیں کیا، میں وہاں سے نہایت غمگین اور رنجیدہ واپس ہوا مقام قرن الثعالب میں پہنچ کر کچھ افاقہ ہوا، یکایک جو سر اٹھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک ابر مجھ پر سایہ کیے ہوئے ہے اور اس میں جبریل امین موجود ہیں۔ اور کہا کہ آپ ﷺ کی قوم نے آپ ﷺ کو جو جواب دیا ہے وہ اللہ نے سن لیا ہے اس وقت اللہ نے آپ ﷺ کے پاس ملک الجبال کو بھیجا ہے تاکہ آپ ﷺ حکم دیں تو ان پہاڑوں کو جن کے درمیان اہل طائف رہتے ہیں ملا دیا جائے جس سے تمام لوگ پس جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا! نہیں میں اللہ سے امید کرتا ہوں کہ اللہ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو صرف اس وحدہٗ لاشریک کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

مشرکین کے پے در پے مظالم اور ایذا رسانی کے نتیجہ میں جو اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ مشرکین کی مجلس ندوہ کے متفقہ فیصلے کے مطابق آپ ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنایا گیا اور اعلان عام کیا گیا کہ ہر قبیلے سے ایک فرد لیا جائے یوں سب مل کر بیک وقت وار کریں اور معاذ اللہ آپ ﷺ کو قتل کر دیا جائے تو کسی پر قصاص اور تاوان نہیں آئے گا۔

چنانچہ اس غرض سے رات کو کاشانہ نبوی ﷺ کا محاصرہ کیا گیا لیکن آپ ﷺ پہرے کے سامنے سے میں مدینہ طیبہ کی ہجرت کے ارادہ سے عازم سفر ہوئے اور مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا۔

جب مشرکین مکہ آپ ﷺ کے تعاقب میں ناکام ہو گئے تب بھی ان کی آتش عداوت سرد نہ ہوئی اور انہوں نے انتقامی جذبے اور دشمنی کے اظہار کے لیے آپ کی گرفتاری پر سو اونٹوں کا انعام رکھا۔

سرکار دو عالم ﷺ کا قیام جب تک مکہ میں رہا قریش اور مشرکین مکہ کی ستم ظریفیاں جاری رہیں اور مدینہ پہنچنے پر اور زور پکڑ گئیں۔ مدینہ میں دو مخالف قوتوں کا اور اضافہ ہو گیا، منافقین اور یہود۔

قرآن کریم میں سورہ المنافقون میں منافقین کے کردار کی نقاب کشائی کی گئی ہے۔ مورخ محمد بن حبیب بغدادی نے منافقین کو نام بنام گنایا ہے۔

مدینہ کے یہودی عالم و پیشوا جن کی تعداد تقریباً ۴۵ تھی، رحمت عالم ﷺ کے شدید مخالف اور جانی دشمن تھے انہیں ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ء نے نام بنام گنایا ہے۔

یہود نے کھانے میں زہر ملایا۔ لبید بن الاعصم یہودی نے آپ ﷺ پر سحر کیا۔

ایک بار کچھ یہود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور السلام علیکم کے بجائے ''السام علیکم'' یعنی ''تم کو موت آئے'' کہا حضرت عائشہؓ سنا تو جواب میں کہا! ''تم کو موت آئے، خدا تم پر لعنت بھیجے اور تم پر خدا کا عذاب نازل ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے سنا تو فرمایا! اے عائشہ نرمی اختیار کرو اور سختی اور بدزبانی سے بچو۔

پیکرِ عفوو برداشت

انسان کے ذخیرۂ اخلاق میں سب سے کم یاب اور نادر الوجود شے دشمنوں پر رحم، ان سے عفوودرگزر ہے، لیکن پیغمبر رحمت محسن انسانیت ﷺ کی ذات اقدس میں یہ جنس فراواں تھی، اپنے دشمن سے انتقام لینا انسانی فطرت کا لازمی حصہ ہے لیکن یہی فطرت رحمت عالم ﷺ کی سیرت طیبہ اور تعلیمات میں معدوم نظر آتی ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے بدترین اور انسانی تاریخ کے مثالی دشمنوں سے حسن سلوک برداشت ورواداری اور عفوودرگزر کا عملی مظاہرہ کر کے یہ ثابت کر دیا کہ آپ ﷺ دونوں جہانوں کے لیے رحمت ہیں۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے! مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ جو کوئی مجھ پر ظلم کرے میں اسے قدرت انتقام کے باوجود معاف کر دوں، جو مجھ سے قطع کرے میں اسے ملاؤں، جو مجھے محروم رکھے میں اسے عطا کروں، غضب اور خوشنودی دونوں حالتوں میں حق گوئی شیوہ بناؤں۔ یوں تو آپ ﷺ کی پوری حیات طیبہ کفار ومشرکین اور دشمنوں سے حسن سلوک، برداشت، عفوودرگزر اور رواداری سے عبارت ہے لیکن اسکا اہم موقع ''فتح مکہ'' ۱۰ رمضان ۸ ھجری جنوری ۶۳۰ء ہے کہ جب آپ ﷺ کو اپنے دشمنوں پر کامل اختیار واقتدار حاصل تھا جب صحن کعبہ میں اسلام، پیغمبر اسلام، اور جاں نثاران اسلام کے دشمن گروہ در گروہ سر جھکائے کھڑے تھے، کیسے دشمن؟ جنہوں نے داعیٔ اسلام کے سر مبارک کو شانہ مقدس سے جدا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا؟ جنہوں نے آپ ﷺ کے چچا کا کلیجہ دانتوں سے چبایا جنہوں نے ہر موقع پر آپ ﷺ کو بدنام کرنے اور اذیت رسانی میں کوئی دریغ نہیں کیا تھا لیکن آپ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر تمام روایات، خدشات اور توقعات کے برعکس برداشت اور عفوودرگزر کے اسوۂ پرعمل پیرا ہوتے ہوئے فرمایا: ''تم پر کوئی ملامت نہیں تم سب آزاد ہو۔''

رحمت عالم ﷺ دس ہزار کے لشکر کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے تو مشرکین مکہ کو اپنا ظلم وستم یاد تھا اور انتقام کا ڈر تھا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے پانچ باتوں کی منادی کرائی:

1- جو مسجد حرام میں داخل ہوا، اسے امان حاصل ہے۔
2- جو کعبۃ اللہ کے پردے سے لپٹا ہوگا وہ مامون ہے۔
3- جس نے ہتھیار پھینک دیئے وہ بھی مامون ہے۔
4- ابوسفیان کے گھر میں جو داخل ہوا، اسے بھی امان حاصل ہے۔
5- جو گھر میں رہا اور دروازہ بند رکھا، اسے بھی امان حاصل ہے۔

ایک اور روایت میں مزید الفاظ ملتے ہیں جس کے مطابق:

☆ جو کوئی حکیم بن حزام کے گھر جا رہے اسے قتل نہ کیا جائے۔

☆ بھاگ جانے والے کا تعاقب نہ کیا جائے۔

☆ زخمی کو قتل نہ کیا جائے۔

برداشت، صبر وضبط اور اعراض کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پہلوان وہ نہیں ہے جو دوسرے کو پچھاڑ دے، پہلوان وہ ہے جو غصے میں اپنے کو قابو میں رکھتے ہوئے برداشت سے کام لے۔ حضرت ابو ہریرہؓ، ابن عمرؓ، حضرت جاریہ بن قدامہؓ حضرت ابوالدرداءؓ وغیرہ متعدد صحابہ کرامؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے کوئی نصیحت کیجئے، ارشاد ہوا کہ غصہ نہ کیا کرو، برداشت سے کام لو، انہیں یہ بات معمولی معلوم ہوئی تو دوبارہ پھر سہ بارہ سوال کیا آپ ﷺ نے ہر دفعہ یہ فرمایا کہ غصہ نہ کیا کرو۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ اپنے کو ''غافر'' بخشنے والا، ''غفار'' بڑی بخشائش کرنے والا اور ''عفو'' معاف کرنے والا اور ''غفور'' بخشنے والا کہا ہے۔

اور فرمایا ہے:
''کسی برائی کو معاف کرو تو بے شک اللہ معاف کرنے والا قدرت والا ہے۔''

انسان اگر برداشت اور ضبط سے کام لیتے ہوئے اپنے کسی قصوروار کو معاف کرتا ہے تو اس کی قدرت بہرحال کامل نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ جس کی قدرت کے سامنے کسی کے دم مارنے کی مجال نہیں وہ معاف فرماتا ہے تو لاچار انسان کو صبر وبرداشت کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے قصورواروں کو معاف کرنا کتنا زیبا اور سزاوار ہے تو جس طرح قدرت کاملہ اور اقتدار اعلیٰ کا مالک ہمارے قصوروں کو معاف فرماتا ہے اسی طرح ہمیں بھی چاہیے کہ برداشت اور عفوودرگزر سے کام لیتے ہوئے اپنے قصورواروں کو معاف کریں۔

''اور برائی کا بدلہ ویسے ہی برائی ہے لیکن جو شخص معاف کردے اور صلح کرلے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے اور وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

''اور جو شخص صبر کرے اور دوسرے کی لغزش معاف کردے تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔''

قرآن کریم میں مومنوں اور پرہیزگاروں کا خاص وصف یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ برداشت اور صبر وضبط سے کام لیتے ہوئے برداشت کا عملی اظہار اس

طرح کرتے ہیں:

''اور وہ غصے کو پی جاتے ہیں (باوجود تمام تر غضب اور قوت اقتدار کے برداشت سے کام لیتے ہیں) اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں۔''

اخلاق کی سب سے بھاری اور دشوار ترین تعلیم جو اکثر نفوس پر شاق گزرتی ہے وہ برداشت، عفو و درگزر، ضبط نفس، تحمل اور برداشت کی ہے لیکن اسلام نے اس سنگلاخ زمین کو بھی نہایت آسانی سے طے کیا ہے، سب کو معلوم ہے کہ اسلام میں شرک اور بت پرستی سے کتنی شدید نفرت کا اظہار کیا گیا ہے اور رب ذوالجلال کی توحید اور عظمت و جلالت کا کتنا اعلیٰ اور ناقابل تبدیل تصور اس نے پیش کیا ہے۔ جو خالص اسلام کا امتیازی حصہ ہے۔ تاہم مسلمانوں کو یہ تاکید کی جاتی ہے کہ تم مشرکوں کے بتوں کو برا بھلا نہ کہو، ایسا نہ ہو کہ وہ ضد میں تمہارے معبود برحق کو برا کہہ بیٹھیں:

''اور جن کو یہ مشرک اللہ کے سوا پکارتے ہیں ان کو برا نہ کہو کہ وہ اللہ کو بے ادبی سے نادانستہ برا کہہ بیٹھیں۔''

یہ برداشت کی انتہائی تعلیم ہے رسول اللہ ﷺ کو باوجود کفار مکہ کے سخت ترین مظالم اور ایذا رسانی کا حکم ہوا کہ کفار اور مشرکین کے ظلم و ستم اور گالی گلوچ پر صبر کرو اور ان کو معاف کرو اور اسی برداشت اور عفو و درگزر کا حکم امت کو ہو رہا ہے۔

''معاف کرنے کی خو پکڑے رہو اور نیکی کا حکم دیتے رہو اور جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کرو۔''

سکون کی حالت میں برداشت اور صبر و درگزر آسان ہے، مگر ضرورت ہے کہ انسان غصے میں بھی برداشت اور صبر و ضبط کا دامن نہ چھوڑے، صحابہؓ کی تعریف میں فرمایا گیا:

''اور جب غصہ آ جائے تب بھی وہ معاف کر دیتے ہیں۔''

نیکوکار اور پرہیزگار مومنوں کی خاص علامت یہ بیان کی گئی کہ وہ برداشت اور درگزر سے کام لیتے ہوئے اپنے غصے کو پی جاتے ہیں۔

انتقام کی قدرت ہونے اور استطاعت رکھنے کے باوجود برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دشمن کو معاف کر دینا بہت بڑی بلند ہمتی کا کام ہے۔ فرمایا گیا: ''اور البتہ جس نے برداشت کیا اور معاف کیا تو وہ بے شک ہمت کے کام ہیں، اس برداشت اور عفو کو ''عزم'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جو خاص انبیاء اور پیغمبروں کی توصیف میں آیا ہے۔

''اور برداشت کرو جس طرح ہمت اور عزم والے پیغمبروں نے برداشت کیا۔''

مندرجہ بالا آیات میں برداشت، صبر عفو و درگزر، تحمل اور ضبط کو بڑی اہمیت، اخلاقی بہادری اولوالعزمی اللہ کی محبوبیت وتقرب کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ سید المرسلین، خاتم النبیین، ہادی آخر و اعظم، سید عرب و عجم پوری کائنات انسانی کے لیے ہادی بنا کر مبعوث کیے گئے تھے۔ آپ ﷺ کی نبوت اور ابدی پیغام پوری بنی نوع انسان کے لیے ہے۔ قرآن کا بیان ہے۔

''اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام انسانوں کے لیے بشیرو نذیر بنا کر بھیجا ہے۔''

آپ ﷺ کی یہی وہ خصوصیت ہے جو آپ ﷺ کو ہادی عالم ﷺ کی حیثیت سے نمایاں کر کے آپ ﷺ کے ابدی پیغام کی عالمگیریت کا اظہار کرتی ہے۔ جبکہ دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کی ذات اور سیرت و کردار پوری امت کے لیے اسوۂ حسنہ اور ابدی نمونہ عمل ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔:

''بے شک تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔'' قرآن کریم اور فرامینِ صادق و امین ﷺ اس حقیقت کی مزید وضاحت کرتے نظر آتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کی پیروی اور مکمل اطاعت نجات اور صلاح و فلاح کا واحد اور یقینی ذریعہ ہے۔

ہادی آخر و اعظم ﷺ کی ذات سراپا برداشت، عفو و درگزر، روادار اور رحم مجسم تھی۔ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا یہی وہ پہلو ہے جو آپ ﷺ کو بنی نوع انسان میں ممتاز و منفرد کرتا نظر آتا ہے۔ چنانچہ دعوت اسلام کے آغاز سے فتح مکہ تک کے کٹھن سفر میں حیات طیبہ ﷺ برداشت اور عفو و درگزر کے وہ نمونے پیش کرتی ہے جو پوری انسانی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ دعوت اسلام کا آغاز اور تبلیغ دین کا موقع ہو، شعب ابی طالب کی گھاٹی، عام الحزن والملال ہو، طائف کی وادی ہو، دیوانہ، جادوگر اور مجنون کہا جا رہا ہو، جسد اطہر پر گندگی ڈالی جا رہی ہو، راہ میں کانٹے بچھائے جا رہے ہوں، آپ ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنایا جا رہا ہو، ہجرت پر گھر بار، آل اولاد اور عزیز و اقارب چھوڑنے پر مجبور کیا جا رہا ہو، مشرکین، منافقین، یہود مدینہ کے کون کون سے مظالم تھے جن پر آپ ﷺ نے صبر و برداشت سے کام نہ لیا۔ صلح حدیبیہ کا موقع ہو، مکہ میں فاتحانہ داخلہ ہو، ہر موقع اور ہر لمحے پر برداشت کا عملی نمونہ پیش کر کے قیامت تک انسانیت کے لیے نمونہ عمل پیش کر دیا۔ آج قومی اور بین الاقوامی سطح پر عدم برداشت کے رویوں میں جو قومی سطح پر فرقہ وارانہ، نسلی، علاقائی اور لسانی و مذہبی اختلافات کی صورت میں نظر آ رہے ہیں، قتل و غارت گری دہشت گردی اور سفاکی کے مناظر اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات کی سراسر نفی ہیں۔ اسی طرح بین الاقوامی سطح پر برداشت کا ماحول عالمی سطح پر دنیا کے بیشتر خطوں میں نظر آ رہا ہے۔ ان حالات میں راہ نجات اور صلاح و فلاح کا راستہ صرف اور صرف اسوۂ رسول اکرم ﷺ اور تعلیمات نبوی ﷺ میں ہے۔ ❁

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت مُعلّم

مفتی غلام قادر

☆ جب سید المرسلین ﷺ پر وحی کے نزول کا آغاز ہوا تو سب سے پہلا حکم پڑھنے، پڑھانے اور سیکھنے، سکھانے کے بارے میں ہوا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ○

حالانکہ عرب کے حالات کے پیش نظر پہلا اعلان توحید کا بھی ہوسکتا تھا کیونکہ بت پرستی اور شرک عام تھا۔ پہلا اعلان رسالت کا بھی ہوسکتا تھا، کیونکہ خالق و مخلوق کا ٹوٹا ہوا رشتہ اللہ کے رسول ﷺ کے ذریعے جڑ سکتا تھا۔ پہلا حکم قیامت کے بارے میں بھی ہوسکتا تھا کیونکہ یوم آخرت پر یقین آنے سے تمام اعمال و عقائد کو اپنانا آسان ہوجاتا ہے، پہلا اعلان انسانی حقوق کے بارے میں بھی ہوسکتا تھا، کیونکہ وہ پامال ہورہے تھے۔ پہلا اعلان اعلیٰ اخلاق و اوصاف کے بارے میں بھی ہوسکتا تھا۔ کیونکہ ان کے ساتھ موصوف ہونے کی صورت میں کامل انسان بن سکتا ہے۔ پہلا اعلان اللہ کی عبادت، شکر، صبر، جہاد اور ذکر اللہ کے بارے میں بھی ہوسکتا تھا۔ مگر سب سے پہلا حکم پڑھنے کا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے خود سرکار دو عالم ﷺ کو تعلیم دی۔ قرآن مجید میں ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ان تمام باتوں کی تعلیم دی جو آپ ﷺ نہیں جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی عمدہ تربیت فرمائی اور خود اعلان فرمایا۔

''اور آپ ﷺ خلق عظیم کے ساتھ متصف ہیں۔''

آنحضرت ﷺ کی تعلیم میں جبرئیل امینؑ اسی طرح واسطہ ہیں جیسا کہ معلم اور متعلم کے درمیان قلم واسطہ اور ذریعہ ہوتا ہے۔ قلم باوجود ذریعۂ تعلیم ہونے کے معلم اور متعلم پر فضیلت نہیں رکھتا۔ اسی طرح جبرئیل امینؑ بیشک واسطہ تعلیم ہیں مگر آنحضرت ﷺ کو اصل تعلیم دینے والے خود اللہ تعالیٰ ہیں۔ ارشاد باری ہے:

''اس نے انسان کو (رسول پاک کو) ان باتوں کی تعلیم دی جو وہ نہیں جانتا تھا۔''

تعلیم و تدریس اعلیٰ اور مقدس منصب ہے اور اوصاف فرائض نبوت میں سے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان فرمایا کہ انہی میں سے ایک عظمت والا پیغمبر بھیجا جو اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور انہیں معاصی کی آلائشوں سے پاک و صاف کرتا ہے اور انہیں کتاب اللہ اور حکمت و دانائی کی باتوں کی تعلیم دیتا ہے۔''

آیتِ کریمہ میں آپ ﷺ کی صفت معلمی کو اجاگر کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کی تعلیم کا نصاب کتاب اللہ اور حکمت یعنی سنتِ رسول اللہ ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں۔ کہ مسجد نبوی میں آنحضرت ﷺ کا گزر دو مجلسوں پر ہوا۔ آپ ﷺ نے ان دونوں کو فرمایا کہ یہ دونوں خیر پر ہیں۔ ان میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر فضیلت رکھتی ہے۔ ان میں ایک جماعت اللہ سے دعائیں کررہی ہے اور اپنی رغبت کا اظہار کررہی ہے اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو اس کو وہ دیدے جو وہ مانگ رہی ہے اور چاہے تو وہ چیز اس سے روک لے لیکن یہ دوسری جماعت والے علم حاصل کررہے ہیں اور جاہل کو تعلیم دے رہے ہیں یہ افضل ہیں آپ اسی جماعت میں بیٹھ گئے اور فرمایا میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

آنحضرت ﷺ کا دنیائے انسانیت پر بڑا احسان ہے کہ آپ ﷺ نے علم پر اجارہ داری کا خاتمہ کیا اور علم کو پانی، ہوا، اور روشنی کی طرح عام کردیا ورنہ اس سے پہلے علم و تعلم پر راہبوں، پنڈتوں، جادوگروں اور کاہنوں کی اجارہ داری تھی، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے علم کو عام کرنے کے لئے فرمایا:

''علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ اور فرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ۔'' نیز ارشاد فرمایا:

''حکمت کی بات تو مومن کی گمشدہ متاع ہے وہ اسے جہاں پائے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔''

کامل معلم اپنے شاگردوں میں حصولِ علم کا شوق اور جذبہ پیدا کرتا ہے چنانچہ آپ ﷺ نے بھی اپنے شاگردوں (صحابۂ کرامؓ) میں حصولِ علم کا شوق پیدا کردیا۔ آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے اعلان ہوا!

''آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ کیا علم والے اور بے علم برابر ہوسکتے ہیں۔'' آنحضرت ﷺ کمال علم کے باوجود یہ دعا کیا کرتے تھے:

''اے میرے رب میرے علم میں اضافہ کردیجئے۔''

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص علم کی طلب میں اپنے گھر سے نکلا ہو، واپس آنے تک اللہ کے راستہ میں نکلا ہوا شمار ہوگا'' ارشاد فرمایا:

''رات کی ایک گھڑی میں علم کا باہم تکرار و تدارس پوری رات عبادت میں گزارنے سے بہتر ہے۔''

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اس عالم کی فضیلت جو فرائض کے ادا کرنے کے بعد لوگوں کو خیر کی تعلیم دے اس عابد پر جو دن کو روزہ رکھے اور رات عبادت میں گزارے اتنی ہے جیسا کہ میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ پر۔''

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ تعلیم

آنحضرت ﷺ کی اعلیٰ صفات میں سے کمال

علم، عظیم حکمت، اعلیٰ اخلاق، شاگردوں کے ساتھ شفقت ورحمت، ان کی تعلیم وتربیت کے لئے عمدہ اور فصیح اسالیب کا استعمال اور ان کی خبر گیری کے اوصاف اپنے کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔

1- آنحضرت ﷺ کے طرزِ تعلیم کے متعلق حضرت انس ؓ ذکر کرتے ہیں کہ میں سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں دس سال رہا اس عرصہ میں آنحضرت ﷺ نے مجھے کبھی ڈانٹ ڈپٹ نہیں فرمائی اور جو کام میں نے کیا اس پر کبھی یہ نہیں فرمایا کہ کیوں کیا اور جو کام میں نے نہیں کیا اس پر کبھی یہ نہیں فرمایا کہ یہ کام تم نے کیوں نہیں کیا۔

2- آنحضرت ﷺ کی تعلیم کا وہ نمونہ امت کے سامنے ہے جبکہ ایک بدوی مسجد میں پیشاب کرنے لگا، صحابۂ کرام ؓ نے اسے ڈانٹنا شروع کیا۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کو روک دیا، جب وہ اعرابی پیشاب سے فارغ ہوا تو آنحضرت ﷺ نے نہایت ہی شفقت سے اسے فرمایا کہ یہ مساجد اس قسم کے معاملہ کے لائق نہیں ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا یہ عمل نہایت ہی حکمت پر مبنی تھا کیونکہ اگر اعرابی کو ڈانٹا جاتا تو دو صورتوں میں سے ایک صورت پیش آتی یا تو وہ جاتے ہوئے پیشاب کرتا جاتا تو پوری مسجد ناپاک ہو جاتی اور اگر وہ پیشاب کو روک لیتا تو یہ اس کی صحت پر اثر انداز ہوتا۔

3- آنحضرت ﷺ کا طرزِ تعلیم عموماً سوال وجواب کی شکل میں ہوتا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت معاذ ؓ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے معاذ تو جانتا ہے کہ اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے اور بندوں کا حق اللہ پر کیا ہے؟ حضرت معاذ ؓ نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا:
''اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک نہ کرے اللہ اسے عذاب نہ دے۔''

4- رسول اللہ ﷺ حضرت معاذ ؓ کو یمن میں قاضی بنا کر بھیجنے لگے تو تعلیم بصورت سوال و جواب فرمائی، سوال کیا کہ تم کس طرح فیصلے کرو گے، تو انہوں نے جواب دیا کہ کتاب اللہ کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کتاب اللہ میں تمہیں وہ مسئلہ نہ ملے تو انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر سنت رسول اللہ میں بھی تمہیں وہ مسئلہ نہ ملے، تو انہوں نے کہا میں اجتہاد کروں گا اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے رسول اللہ ﷺ کے نمائندہ کو اس بات کی توفیق دی جس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ راضی ہیں۔''

5- رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر صحابۂ کرام ؓ کو ایک نہایت ہی اہم مسئلہ کی تعلیم دینے کی خاطر سوال کیا کہ یہ کون سا شہر ہے؟ کون سا مہینہ ہے؟ اور کون سا دن ہے؟ صحابۂ کرام ؓ کہتے ہیں کہ ہم نے خیال کیا کہ شاید رسول اللہ ﷺ شہر، مہینہ اور دن کے نام تبدیل کرنا چاہتے ہیں، تو ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے مکہ شریف، ذی الحجہ اور یوم النحر کا نام لیا اور فرمایا کہ جس طرح تمہارا یہ شہر اور یہ تمہارا دن حرمت اور عظمت والے ہیں۔ اسی طرح تمہاری جانیں اور تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں بھی حرمت اور عظمت رکھتی ہیں۔

6- ''جو شخص ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کی عزت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں۔'' آنحضرت ﷺ کی اس تعلیم پر عمل کرلیا جائے تو دنیا میں ہر قسم کے فساد کی بیخ کنی ہو سکتی ہے۔

7- ''تُو لوگوں کے لیے وہی بات پسند کر جو تُو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔'' مثلاً ہر شخص چاہتا ہے کہ اگر وہ دوسرے کے پاس جائے تو دوسرا اس کے ساتھ عزت سے پیش آئے اور اس کا کام کر دے۔ اسی طرح جب دوسرا شخص آپ کے پاس آئے تو آپ کو بھی اس کے ساتھ یہی برتاؤ کرنا چاہیے۔

8- آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:
''جو شخص اپنے دوسرے بھائی کی حاجت پوری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجتیں پوری کرتا ہے اور جو آدمی کسی مسلمان کی کوئی دنیاوی تکلیف دور کر دے تو اللہ تعالیٰ قیامت کی تکلیفوں میں سے اس کی تکلیف دور کرے گا۔''

9- ہمسائے کے حقوق کے بارے میں فرمایا:
''وہ آدمی بہشت میں داخل نہ ہوگا جس کے فتنوں سے اس کا ہمسایہ محفوظ نہ رہے۔''

10- یتیم کی خبر گیری کے سلسلے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو شخص یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرتا ہے اس کے سر کے جتنے بال پر اس کا ہاتھ گزرا ہے اتنی ہی نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہیں۔''

11- نیکی اور گناہ کی پہچان کے لئے ارشاد فرمایا:
''نیکی تو حُسنِ خلق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تو ناپسند کرے کہ لوگ اس پر مطلع ہو جائیں۔''

آنحضرت ﷺ کی چند تعلیمات بطور نمونہ عرض کی گئی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی نیابت میں کامل معلّم وہی ہو سکتا ہے جو اسی طرز پر تعلیم وتدریس کے فرائض انجام دے جیسا کہ خود رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے، کیونکہ آنحضرت ﷺ کا طرزِ عمل پوری انسانیت کے لیے نمونہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سرکار دو عالم ﷺ کی اتباع کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین ❁

محمد ﷺ بن عبداللہ کی فتح

سید قطب شہید

☆ زمین کے گوشہ گوشہ میں روز وشب لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی کروڑوں آوازیں گونجتی ہیں۔ یہ آوازیں چودہ صدیوں سے نہ خاموش ہوئی ہیں اور نہ گم۔ سلطنتیں بدل گئیں۔ حالات متغیر ہوگئے۔ لیکن زمانہ کے دل میں پیوست یہ ابدی گونج متغیر نہیں ہوئی۔

یہ آوازیں محمد ﷺ بن عبداللہ کی فتح کی جیتی جاگتی دلیل ہیں۔ آپ ﷺ کی یہ فتح کسی غزوہ یا معرکہ کی فوجی کامیابی نہیں، مکہ کی فتح نہیں، جزیرہ عرب کو مغلوب کرلینے کی تاریخی حقیقت بھی نہیں، قیصر وکسریٰ کو سرنگوں کرلینے کا مہتمم بالشان واقعہ بھی نہیں۔ بلکہ وہ فتح ہے جس نے زندگی کی سرشت میں اپنا مقام پیدا کرلیا۔ جو تاریخ کا دھارا موڑنے والی ہے، دنیا کی قسمت پر متصرف ہے اور زمانہ کے قلب میں متمکن ہے۔

یہ وہ فتح ہے جو امت مسلمہ کو پہنچ جانے والے کسی ضعف سے ختم نہیں ہوتی، نئے نئے مذاہب اور فلسفے اس کی قدر و قیمت کم نہیں کرسکتے، زمین کے کسی گوشہ میں ایک فریق کا دوسرے فریق پر غلبہ اس کا نور بجھا نہیں سکتا۔ اس لئے کہ اس کے بیج کائنات کی گہرائیوں میں دفن ہیں اور انسان کے ضمیر اس پر گواہ ہیں، یہ فتح آپ اپنی دلیل ہے۔ اس کے لئے کسی دوسری دلیل یا برہان کی ضرورت نہیں۔

آیئے ہم اس کے اسباب اور وسائل کا پتہ لگانے کی کوشش کریں تاکہ آج ہم وہی ذرائع و وسائل اختیار کرسکیں اور انہی اسباب کے مطابق کام کرسکیں۔

اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ تھی کہ محمد ﷺ بن عبداللہ کامیاب وکامران ہوں اور دین مستقیم کو غلبہ نصیب ہو، لیکن اللہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کامیابی کو آسان اور سہل بنادے اور نہ یہ چاہتا تھا کہ اسے معجزہ بنادے کہ کوئی انسانی کوشش اور ذریعہ اسے حاصل نہ کرسکے۔ اس نے اسے رسول اللہ ﷺ کی جدوجہد کا شیریں پھل اور آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کی قربانیوں کا منطقی نتیجہ بنایا۔

چنانچہ جو شخص معلوم کرنا چاہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کامیابی کیسے حاصل کی اور اسلام کو فتح کیسے حاصل ہوئی، اسے آپ ﷺ کی شخصیت، سلوک، سیرت، اور جدوجہد کے مطالعہ سے معلوم کرنا چاہیے اسے معلوم ہوجائے گا کہ کامرانی کا طریقہ مقرر ہے۔ اس کے وسائل موجود ہیں۔ اسباب حاضر ہیں اور کوئی بھی شخص کسی بھی زمانہ میں، کسی بھی جگہ اگر کامران ہونا چاہے تو اسے رسول اللہ ﷺ کو اپنے لئے نمونہ بنانا چاہیے۔

محمد ﷺ بن عبداللہ کی کامیابی کے تین بنیادی مراحل ہیں۔ اسی میں سارے دیگر مراحل پوشیدہ ہیں۔ محمد ﷺ بن عبداللہ نے کامیابی کا پہلا مرحلہ اس دن طے کیا جس دن قریش کے سردار ابوطالب سے یہ مطالبہ کرنے آئے کہ اپنے اس بھتیجے کو روکے جس نے ان کے دین، ان کی رسومات اور ان کے اعتقادات میں مداخلت کرکے ان کو ہلاکر رکھ دیا ہے۔ اسے ان کے معبودوں کے بارے میں بولنے سے روک دے اور اس کے بدلہ میں اگر وہ چاہے تو وہ اسے مالا مال کردیں، اگر سردار بننا چاہے تو سرداری عطا کریں اور اس کے بعد اسے ان پر پورا اختیار ہوگا۔

محمد ﷺ بن عبداللہ کامراں رہے جب آپ ﷺ نے ان لوگوں کے اور زمانہ کے کانوں میں ایمان کے منبع سے پھوٹنے والی ابدی بات کہی۔ ”خدا کی قسم، چچا جان! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں تاکہ میں یہ چھوڑ دوں، تو میں یہ ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ مجھے موت آجائے۔“ خدا کی قسم کیا ہی زلزلہ خیز شان وشکوہ ہے، کتنی پرشکوہ تصویر ہے۔

اس دن محمد ﷺ بن عبداللہ کی کامیابی کا دوسرا مرحلہ جب طے ہوگیا تو آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کو ایمان کی زندہ، چلتی پھرتی تصویریں بنادیا ان میں سے ہر ایک کو زمین پر چلنے پھرنے والا زندہ قرآن اور مجسم اسلام بنادیا۔ لوگ انہیں کیا دیکھتے، گویا اسلام کو دیکھ لیتے۔

خالی نصوص کچھ نہیں کرسکتے۔ صرف مصحف سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اگر ان پر عمل کرنے والا انسان نہ ہو۔ نظریات زندہ نہیں رہ سکتے۔ اگر عملاً اپنائے نہ جائیں۔ محمد ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ انسان تیار کریں، صرف وعظ ونصیحت نہ کریں۔ دلوں اور ضمیروں کو ڈھالیں، صرف تقاریر نہ کریں، ایک امت کی تعمیر کریں۔ صرف فلسفہ پیش نہ کریں...... نظریہ تو قرآن نے پیش کردیا تھا...... محمد ﷺ کا مشن یہ تھا کہ اس مجرد فکر کو، اس نظریہ کو انسانوں کے قالب میں ڈھال دیں اور ایسی زندہ حقیقت بنادیں۔ جنہیں ہاتھ چھو سکیں اور آنکھیں دیکھ سکیں۔

جب یہ لوگ زمین کے مشرق و مغرب میں گئے تو لوگوں نے دیکھا کہ یہ تو کوئی بالکل نئی مخلوق ہے۔ انسانیت اس سے پہلے اس سے آشنا نہ تھی۔ اس لئے کہ وہ اس نظریہ کے زندہ نمونے تھے۔ جو اس وقت کی انسانیت کے لئے اجنبی ہوگیا تھا۔ اس وقت لوگ اس نظریہ پر ایمان لے آئے۔ اس لئے کہ وہ ان لوگوں پر ایمان لے آئے تھے جن میں یہ نظریہ جلوہ گر تھا۔

یہ محمد ﷺ کی کامیابی تھی کہ آپ ﷺ نے اسلامی فکر کو انسانی شکل میں ڈھال دیا۔ مصحف کے سینکڑوں اور ہزاروں نسخے لکھے۔ لیکن یہ روشنائی کے ذریعہ کاغذ کے صفحات پر نہیں لکھے گئے تھے بلکہ نور کے ذریعہ دلوں پر لکھے گئے تھے۔ لوگوں کے تامل کی صورت میں لکھے گئے تھے۔ لوگوں کا عمل یہ ظاہر کرتا تھا کہ وہ اسلام کیا ہے جو اللہ کے پاس سے محمد ﷺ بن عبداللہ لے کر آئے ہیں۔

اور محمد ﷺ بن عبداللہ کی آخری کامیابی یہ تھی کہ شریعت اسلامیہ کو زندگی پر حکمرانی کرنے والا ضابطہ، معاشرہ کی تبدیلیوں کا بنیادی مرکز اور لوگوں کے معاملات کا حقیقی منتظم بنادیا۔

اسلام ایک عقیدہ ہے۔ جس کے بیج سے شریعت کی کونپل پھوٹی ہے۔ اس شریعت پر ایک نظام قائم ہوتا ہے۔ اگر ہم اسلام کو ایک درخت سے تشبیہ دیں تو عقیدہ اس کا بیج، شریعت اس کا تنا اور نظام شرعی اس کا پھل ہے۔

تنا بیج کے بغیر جڑ نہیں پکڑ سکتا اور اس بیج کی کوئی قیمت نہیں جس سے تنا نہ نکلے۔ اس تنے کا کوئی فائدہ نہیں جو پھل نہ دے۔ اس لئے اسلام نے ضروری قرار دیا کہ اس کی شریعت ہی زندگی کی حاکم ہو۔

دین اور حکومت کی علیحدگی اسلام میں نہیں ہے۔ کوئی حکومت دین کے بغیر نہیں اور کوئی دین شریعت اور نظام کے بغیر نہیں۔ اسلامی حکومت کے قیام کے اول دن ہی سے شریعت اسلامیہ اس حکومت کا دستور العمل تھی اور صاحب شریعت اس کے والی تھے۔ اس حکومت نے مسلمانوں کو یہ موقع بہم پہنچایا کہ وہ ظلم کے مقابلہ میں اپنا دفاع کرسکیں اور فتنہ سے اپنے آپ کو بچاسکیں اور زمین کے ایک ایک گوشہ میں اسلام کے پرچم تلے محفوظ رہ سکیں۔

اس وقت سے اسلام ایک اجتماعی نظام ہوگیا۔ یہ مسلمانوں کے تعلقات کا مرکزی سر رشتہ تھا۔ وہ ان کے لیے ایک ایسا نظامِ حکومت بن گیا۔ جن کی بنیاد پر وہ غیروں سے معاملات کرتے تھے۔ پھر اسلام زمین کے دوسرے گوشوں میں پھیلنے لگا۔ جہاں بھی اس کا عقیدہ پہنچا اس کی شریعت اور اس کا نظام بھی پہنچا۔ جس نے چاہا اس میں داخل ہوگیا اور اسلامی شریعت اور اسلامی نظام ہر اس سرزمین پر حکمرانی کرنے لگا۔

جہاں اسلام داخل ہوا لوگ اس سے وہ انصاف اور خیر پانے لگے جس کا مزا انہوں نے پہلے کبھی نہیں پایا تھا اور اس وقت لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگے اور اس وقت اللہ نے رسول ﷺ سے کیا ہوا وعدہ پورا کردیا۔

اسلام اس لئے فاتح ہوا کہ اس کے عقیدہ نے شریعت کا قالب اختیار کیا اور اس شریعت نے ایک ایسا نظام بپا کیا جس کی طرف لوگوں کے دل کھنچنے لگے اور لوگوں نے اس میں اپنے دلوں کے لئے راحت اور سکون محسوس کیا۔

اس وقت محمد بن عبداللہ کامیاب ہوگئے اس لئے کہ آپ ﷺ نے اللہ کی شریعت نافذ کردی جس طرح کہ اللہ کی منشا تھی۔

یہ اس لازوال فتح کے مراحل تھے۔ جس پر تاریخ انسانی کا ایک ایک باب گواہ ہے اور آج کروڑوں آوازیں مشرق و مغرب میں اس کے نغمے گاتی ہیں اور یہ مراحل طبیعی اور حقیقی ہیں۔ ایسے مراحل جن پر ہم مسلمان ہر دور میں قدرت رکھتے ہیں۔ یہ وہ مراحل ہیں جو ہمارے سامنے ہیں کہ ہم کوشش کریں ان کو آزمائیں اور ان کے ذریعہ وہ کامیابی حاصل کریں جو اللہ نے ان بندوں کے لئے مقرر کردی ہے جو اللہ کی مدد کرتے ہیں۔ ❀

مکتوب نبوی ﷺ

نائب السلطنت مصر کے نام

محمد خدا کے بندے اور اس کے رسول کی جانب سے مقوقس حاکم مصر کے نام...... اُس پر سلامتی ہو جس نے راہِ راست اختیار کی! بعد ازاں، میں آپ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ پس اگر سلامتی منظور ہے تو اسلام قبول کر لیجئے! اگر آپ نے اسلام قبول کرلیا تو اللہ تعالیٰ آپ کو دوہرا اجر عطا فرمائے گا اور اگر آپ نے انکار کیا تو ساری قوم کی گمراہی کی ذمہ داری بھی آپ ہی کے اوپر ہوگی۔

اے اہلِ کتاب! اختلاف و نزاع کی ساری باتیں نظر انداز کر کے ایک ایسی بات پر متفق ہو جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان میں یکساں طور پر مسلّم ہے، وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں اور نہ کسی کو اُس کا شریک ٹھہرائیں، اور نہ ہم اللہ کے سوا کسی دوسرے کو اپنا رب بنائیں!

اگر تمہیں اس بات سے انکار ہے تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہم بہر حال خدا کی یکتائی کا عقیدہ رکھتے ہیں!

محمد رسول اللہ

خواتین کے حقوق و فرائض تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

ڈاکٹر مس عصمت ناز

☆ محمد ﷺ کی سیرت ایک فرد کی سیرت نہیں، آپ ﷺ کی تعلیمات کسی ایک فرد یا معاشرے کے لئے نہیں ہیں، بلکہ آپ ﷺ کی سیرت اور تعلیمات ایک انقلاب ہیں ایک تاریخی طاقت ہیں، ایک عظیم الشان داستان ہیں جو انسانی پیکر میں جلوہ گر ہوئی، وہ زندگی سے کٹے ہوئے کسی درویش، سادھو، صوفی، یا راہب کی سرگزشت نہیں جو کسی گوشے میں، کسی درخت کے نیچے، کسی قلعے میں، کسی دریا کے کنارے بیٹھ کر محض انفرادی تعمیر میں مصروف ہو۔ بلکہ یہ تو ایک ایسی ہستی کی آپ بیتی ہے، ایک ایسے انسان با مقام کی تعلیمات ہیں۔ جو اجتماعی تحریک کی روح رواں تھی۔ جس نے معاشرے کے ہر فرد کے متعلق ارشادات فرمائے اور ہر گوشہ زندگی کے لئے شاندار و بے مثال راہنما اصول چھوڑے، جن کی مثال آج بھی دی جاتی ہے اور تا ابد دی جاتی رہے گی۔

معاشرے کی بنیادی اکائی مرد اور عورت ہیں۔ وحشت کا دور ہو یا پتھر و دھات کا زمانہ، قبائل تمدن کا زمانہ ہو یا جنگ و جدل کے میدان ہوں، آثار و قرائن و تاریخ جہاں تک ہماری راہنمائی کرتی ہے اور ہمیں یونان، ایران، روم، اور پھر عرب کے ریگزاروں میں لا کھڑا کرتی ہے تو ادھر بھی بنتِ حوا کا حال بہت بُرا بلکہ ابتر ین تھا اور پھر قرآن پاک نے تو واضح الفاظ میں بای ذنب قتلت کے الفاظ میں اس بات کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی کہ زمانہ جاہلیت یہ دعویٰ کر سکے کہ اس نے آنحضرت ﷺ سے پہلے عورت کو حقوق تفویض کئے تھے۔

یہ آپ ﷺ کی ذات بابرکات تھی کہ اسلام کی آمد کے بعد آپ ﷺ نے معاشرے کے اس سب سے زیادہ استحصال شدہ طبقے کی جانب توجہ دی۔ عورت جو ماں بھی تھی۔ بہن بھی تھی، بیوی بھی تھی اور بیٹی تھی۔ مگر کس عبرتناک حالت میں تھی تاریخ کے صفحات اس کے گواہ ہیں۔ دنیا بھر کی تہذیبیں شرمندگی کا یہ داغ اپنے دامن سے نہیں مٹا سکتی ہیں کہ انہوں نے سرزمین عرب پر رحمت کے بادل برسنے سے پہلے اس ہستی کے ساتھ کیا کیا ستم روا رکھا تھا۔ کہیں اسے چندی کی صورت میں کہیں جانوروں کی حیثیت سے، کہیں اسے محض کام کرنے اور جنسی تسکین کے لئے اور کہیں اسے غلام کی حیثیت میں اور کہیں ستی ہونے کے لیے اور کہیں اسے پاؤں کی جوتی سمجھا گیا۔

حالانکہ اگر بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو یہ ہماری اخلاقی، جسمانی، نظریاتی اور نفسیاتی طور پر ہمیشہ سے میدان میں مرد کے شانہ بشانہ متحرک اور فعال نظر آتی ہے۔ کہیں یہ مادر ابراہیم بنتی ہے اور خلیل اللہ کو جنم دیتی ہے اور نمرودی طاقتوں سے بچا کر اسے بت شکن بناتی ہے، کہیں آسیہ بنکر کلیم اللہ کو اپنی آغوش شفقت میں پناہ دیتی ہے، کہیں ہاجرہ بن کر ذبیح اللہ کی پرورش کا فریضہ نبھاتی ہے اور کہیں مریم کے روپ میں عیسیٰ روح اللہ کو جنم دیتی ہے، اسی طرح غیر الہامی مذہب میں کہیں سیتا ماتا کے روپ میں اور کہیں رادھا کے روپ میں جلوہ فگاں یہ عورت ہی ہے۔ لیکن اس کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔

پستی اور ذلت میں ڈوبی ہوئی عورت کو انسانیت کے بلند منصب پر فائز کرنے کے لئے اسلام نے اہم کردار ادا کیا۔ کیونکہ سرزمین عرب پر اس کی حالت بہت ہی نازک تھی نہ اسکی رائے تھی نہ انفرادیت، نہ شخصیت نہ اہمیت اور ظلم کی انتہا کہ اسے بعض اوقات پیدا ہوتے زندہ گاڑ دیا جاتا تھا اور انکی اخلاقی پستی اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ باپ کے مرنے کے بعد اسکی بیویاں بھی وراثت میں تقسیم ہوتی ہیں اور ان سے بچے شادی کر سکتے تھے۔ اور بہن سے بھی شادی جائز سمجھی جاتی تھی۔ جائیداد میں حصہ نہیں تھا۔

آپ ﷺ رحمت بن کر آئے تھے لہٰذا آپ اس نصف انسانیت کے حقوق کو کیسے نظر انداز کر سکتے تھے۔ آپ ﷺ نے عورت کو دنیا کی بہترین متاع قرار دیا۔

آپ ﷺ نے ہر موقع پر ہر جگہ پر ہر مقام پر خواتین کے لئے ایسی شاندار تعلیمات ودیعت کی ہیں کہ ان پر یعنی خواتین کے حقوق و فرائض پر دفتر کے دفتر لکھے جا سکتے ہیں لیکن یہاں مختصراً میں ذکر کروں گی تا کہ بے جا طوالت نہ ہو۔

آپ ﷺ نے جہاں حقوق خواتین کا ذکر فرمایا ہے اسکی تعلیم دی ہے وہاں آپ ﷺ نے ان کو اُن کے فرائض بھی بتائے ہیں تا کہ معاشرے میں توازن قائم رہے۔ کیونکہ سرور عالم ﷺ کی زندگی اور تعلیمات ایک بہتا ہوا دریا ہیں، جس میں حرکت ہے۔ روانی ہے، موج و حباب ہیں، یعنی جلال ہے تو جمال بھی ہے۔ روحانیت ہے تو مادیت بھی ہے، دین ہے تو دنیا بھی ہے، خدا کی عبادت بھی ہے اور بندوں سے رابطہ بھی۔ گھری خدمت بھی ہے اور سیاست بھی، قوم کی قیادت بھی اور زوجات کے ساتھ رہن سہن بھی ہے۔

آپ ﷺ نے اس معاشرے میں جہاں بیٹی باعث ننگ و عار تھی اسے رحمت قرار دیکر ہمیشہ کے لئے عورت کا سر بلند کر دیا، اور اپنی لخت جگر بالخصوص بی بی فاطمہؓ کے ساتھ آپ ﷺ نے جو شفقت و محبت روا رکھی وہ مثال ہے۔ آپ ﷺ نے ان کی تعلیم و تربیت فرمائی شادی کرتے ہوئے مرضی معلوم کی، انکا حق مہر مقرر کیا، ان کے بچوں حسنؓ و حسینؓ کے ساتھ نہایت شفقت کا سلوک فرمایا، سفر سے واپسی پر سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ کے گھر جاتے اور اگر وہ آتیں تو اپنی چادر بچھا دیتے۔ اور ساتھ ہی آپ ﷺ نے یہ فرمادیا کہ جو ایک یا ایک سے زیادہ بیٹیوں کی پرورش کرے گا وہ جنت میں جائے گا۔

یہ بات بہت ہی انقلابی تھی۔ اخلاقیات اور جدید تعلیمات کے ماہر بھی اس بات کو مانتے ہیں کہ: ''پیغمبر اسلام نے یقیناً عورت کا درجہ بلند کیا، اب عورت شوہر کے لڑکے کا جانور نہیں رہی بلکہ خود لڑکا پانے کی حقدار ہوگئی۔ ایک آزاد فرد کی طرح اسے دوبارہ شادی پر مجبور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ طلاق کی صورت میں شوہر پر واجب تھا کہ اسکا حق مہر ادا کرے۔ اب عورتیں علوم و شاعری میں دلچسپ لینے لگیں اور انکی عزت کی جانے لگی تھی۔''

یہاں اس امر کا ذکر ضروری ہے کہ خواتین کے حقوق کی پامالی اس وقت شروع ہوئی جب اس کے اور مردوں کے درمیان امتیاز روا کیا گیا اور اس بناء پر اسے فاسد اور ذلیل ترین مخلوق سمجھا گیا مگر اسلام نے اس مشورہ کے ساتھ یہ سارے فرق مٹا ڈالے:

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک ہی جاندار سے پیدا کیا۔''

یا پھر یوں ارشاد ربانی ہے۔

''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔''

آپ ﷺ چونکہ چلتا پھرتا قرآن تھے۔ لہٰذا آپ ﷺ کی تعلیمات قرآن کے مطابق ہی تھیں۔

قرآن نے ماں کی عظمت کو اس بلند مقام پر پہنچا دیا کہ اس سے بلند تر کوئی مقام ہو ہی نہیں سکتا پھر خواتین کو بہن اور بیٹی اور پھر بیوی کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے جن بہترین حقوق سے نوازا آپ ﷺ نے عملی طور پر اس کا مظاہرہ بھی کیا اور اسکا صحیح نفاذ بھی کروایا یعنی آیات قرآن کی طرح سے۔ عورت کے حقوق و فرائض کے متعلق آپ ﷺ کی سیرت اور احادیث میں جا بجا روشن مثالیں موجود ہیں۔

خواتین کو سب سے قبل بحیثیت انسان کے آپ ﷺ نے تسلیم کروایا اور فرمایا:

''عورت مردوں کی ہم جنس ہیں۔''

یعنی آپ ﷺ نے دونوں کو برابری کا درجہ دے دیا۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک شخص کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ تیرے حسن سلوک کی زیادہ مستحق تیری ماں ہے اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ تین مرتبہ اپنے جواب کو دہرا کر ماں کے مرتبے کو عظیم سے عظیم تر بنا دیا۔

ایک اور جگہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے تم پر اپنی ماں کی نافرمانی اور حق تلفی حرام کر دی ہے۔''

اسی طرح ایک شخص جو جہاد پر جانا چاہتا تھا اور اس کی ماں گھر پر تھی اسے تلقین فرمائی کہ ''اس کو لازم پکڑ کہ جنت اس کے پاؤں میں ہے۔''

اس طرح چونکہ بچے کی رضاعت، نگہداشت و تربیت خواتین کے فرائض میں تھی لہٰذا اس کو بلند تر حقوق سے نوازا گیا۔ اور حسن سلوک کے معاملے میں ماں کے حقوق باپ سے تین گُنا مقدم رکھے گئے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت میرے پاس مانگنے کے لئے آئی اور اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں بھی تھیں۔ میرے پاس ایک کھجور کے سوا کچھ نہ تھا اس نے وہ کھجور لیکر دونوں میں بانٹ دی اور خود کچھ نہ کھایا۔ جب میں نے آپ ﷺ کو یہ بات بتائی تو آپ ﷺ گویا ہوئے:

''جس انسان کو جوان بیٹیوں کی آزمائش میں ڈالا گیا اور اس نے ان سے اچھا سلوک کیا تو وہ اسکے لئے آگ سے آڑ ہونگی''

دنیا میں انسان کو بہت سی چیزیں مرغوب ہوتی ہیں اور ان سے دلی لگاؤ ہوتا ہے دولت ہے، حشمت ہے، عزت ہے جاہ و جلال ہے، لیکن ان کے علاوہ ایک قابل قدر چیز جو اللہ تعالیٰ بندے کو عطا فرماتا ہے وہ نیک اور صالح بیوی ہے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے بیوی کے ساتھ حسن سلوک کو بڑی اہمیت بخشی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے بہتر ہے اور میں اپنے گھر والوں کے لئے سب سے بہتر ہوں۔''

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''دنیا کی بہترین متاع نیک عورت (بیوی) ہے۔'' لیکن جہاں پر بھی حقوق کی بات ہوتی وہاں فرائض کی بات آتی ہے۔ آپ ﷺ نے خواتین پر بھی یہ فرض عائد کیا بلکہ انہیں حکم دیا کہ اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کریں، غیر مردوں کو اندر نہ آنے دیں۔ شوہر کی اطاعت گزاری کریں، اور جہاں پر فرائض کا تعین ہوتا ہے۔ وہاں پھر خواتین کو اعلیٰ مقام دیتے ہوئے کہا کہ اگر مرد و عورت کا نباہ نہ ہو سکتے تو علیحدہ ہو جاؤ اور طلاق وغیرہ کے قوانین، مہر وغیرہ کے طلاق کے متعلق بار بار ہدایات ارشاد فرمایا۔ ایک جگہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جس مرد نے عورت سے شادی کی ایک مہر پر اس

ارادے سے کہ وہ اسکوادا نہیں کریگا تو وہ زانی ہے۔"

آپ ﷺ نے عورت کی عزت نفس کی خاطر اور معاشرے کی بہتری کی خاطر بار بار خواتین کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین فرمائی اور طلاق کو حلال کاموں میں سے ناپسندیدہ فعل قرار دیا۔ بیوہ ہونے کی صورت میں دوسری شادی کی اجازت دی۔ مگر عدّت پوری کرنے پر تاکہ سارے شرعی تقاضے پورے ہوسکیں۔ اگر خواتین جنگی قیدی بن کر آتی ہیں تو بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک ہوا اور ان میں سے آپ ﷺ نے چند کے ساتھ باقاعدہ عقد فرما کر انہیں زوجیت کا شرف بخشا گویا کہ قدیم زمانے والی لونڈیوں کا تصور آپ ﷺ نے اپنی شاندار تعلیمات کے ساتھ پاش پاش کر دیا۔

آپ ﷺ نے عورت کو زیب و زینت کرنے کا اور بننے سنورنے کا حق عین اسلام کے مطابق دیا۔ مگر اس پر یہ فرض بھی عائد کیا کہ یہ زیب و زینت اپنے گھر میں کرے اور اپنے شوہر کے لیے، اور گھر سے نکلے تو حیا داری کے ساتھ نکلے تا کہ پتہ چلے کہ ایک معزز اور مہذب معاشرے کی خاتون ہے۔

معاشرہ میں اس طرح سے معزز اور محترم بنا کر کہ آپ ﷺ سے پہلے خواتین خود وراثت تھیں اب وہ وراثت کی حقدار ہیں۔ اب وہ تجارت کا مال نہیں رہتیں بلکہ خود تاجر تھیں، وہ جنگوں میں ہاتھ بٹا سکتی ہیں، علم حاصل کرسکتی ہیں۔ کہ علم کا حصول ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض قرار دیا گیا تھا، گویا کہ آپ ﷺ نے مختلف حوالوں سے خواتین کو ان کی ازل سے محرومیوں سے نجات دلائی اور اسے مردوں کے برابر مساوی درجہ عطا کیا۔

حتٰی کہ قصاص، قتل امان وغیرہ کے معاملات میں بھی خواتین کا خیال رکھا گیا اور ایک جگہ روایت میں آتا ہے کہ:

"ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر پتھروں سے کچل ڈالا، لڑکی نے جب شکایت کی تو آپ ﷺ نے یہودی سے پوچھا اس نے اعتراف جرم کیا آپ ﷺ نے اس سے اسی شکل میں قصاص لیا۔"

اسی طرح اگر عورت اپنے کسی عزیز کے قاتل کو معاف کر دے تو اسکا یہ پروانہ منسوخ نہیں کیا جاسکتا اور حالت جنگ میں اگر وہ کسی کو پناہ دے دے تو اسکو مسترد نہیں کیا جاسکتا ہے۔

ارشاد رسول ﷺ ہے۔

"عورت بھی اپنی قوم کی طرف سے پناہ دے سکتی ہے۔"

فتح مکہ کے وقت ام ھانیؓ نے کہا کہ یارسول اللہ میں نے ابن ھیرہ کو پناہ دی ہے اور حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ وہ اسکو قتل کر کے رہینگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے ام ھانیؓ! تم نے جس کو پناہ دی ہے اسے ہماری بھی پناہ حاصل ہے۔"

اسلام سے قبل خواتین کا ذاتی تشخص نہیں تھا۔ وہ کسی بھی روپ میں انفرادیت کی حامل نہ تھیں۔ اسے نکاح کے بعد غلام بے دام، کنیز بے وقعت یا ایک حیوان بے زبان بنا دیا جاتا تھا۔ لیکن اسلام نے اسکی انفرادی حیثیت کو برقرار رکھا اور اسے قانونی معاملات میں بھی شریک کیا۔

آنحضرت ﷺ نے اسلام کی تعلیمات پر عمل در آمد کروا کر ایک مضبوط و منظم اور فعال معاشرے کی بنیاد رکھی جس میں مرد اور خاتون دونوں اپنا اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے عورت کو بیعت کرنے، قانونی معاملات میں شامل ہونے، مشورہ دینے کا حق دیا۔ اور بیعت رضوان کے موقع پر آپ ﷺ کے ہاتھ پر ام عمارہؓ نے بیعت کی تھی۔ یعنی جب ان خواتین کو معتبر جانا گیا۔ انہیں حقوق تفویض کئے گئے تو انہوں نے بھی فرائض سے کماحقہٗ انصاف کیا۔ اور حق وصداقت پر قائم رہیں۔ بلکہ معاشرے میں جس جگہ انہیں بگاڑ نظر آیا انہوں نے اس کو بدلنے اور اس کی جگہ خیر و فلاح کو قائم کرنے کی جدوجہد کی۔

اس طرح سے خواتین نے حقوق ملنے پر فرائض کی ادائیگی کا شاندار تصور قائم کیا۔ کہ تعلیمات نبوی ﷺ نے ان کو ایک شعور بخشا تھا، ایک دوام بخشا تھا، ایک زیست عطا کی تھی قصر مذلت سے نکالا تھا۔ جسکے باعث ان کے اندر ایک اعتماد آیا۔ اور اس اعتماد کے باعث انہوں نے پھر نہ رعایا کی پرواہ کی نہ فرمانرواؤں کی اور نہ حاکموں کی کہ وہ ان کے متعلق کہتے ہیں کیونکہ حاکموں کے حاکم اور رسولوں کے سردار محمد مصطفیٰ ﷺ نے انہیں حوصلہ و ہمت عطا کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے ان کے ایمانی جذبات تازہ ہوتے اور انہوں نے دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ خیمے کی چوب اکھاڑ کر یہودی کا سر قلم کر دیا اور جنگ کا پانسہ پلٹ کر رکھ دیا۔ اور کلمہ حق کے اظہار میں نہ تو باطل کی بڑی بڑی قوتیں ان کی راہ کی رکاوٹ بن سکیں اور نہ ہی جابر و سخت گیر حکام کی زیادتی و سختی۔ کہ خیمے جل اٹھے اور چادریں کھینچ لیں گئیں۔ مگر ان خواتین کو کس نے یہ عزم و حوصلہ بخشا کہ وہ برھنہ پا و سر کفر کو کفر کہہ سکیں اور وہ بھی پیٹھ پیچھے نہیں بلکہ دو بدو ہو کر آمنے سامنے بر سر دربار کھڑے ہو کر کہے کہ تو غلط ہے۔ یہ عزم و حوصلہ بخشا انہیں آپ ﷺ کی سچی اور کھری تربیت نے آپ ﷺ کی روشن اور واضح تعلیمات نے۔ جس کے باعث ان خواتین کا نام اور کام آج بھی زندہ ہے۔

عورت کی تعلیم و تربیت کا مقام چونکہ اس کا اپنا گھر ہے لہٰذا اس کے گھر والوں کو حکم دیا گیا کہ اس کی بہترین پرورش کرو حتٰی کہ حضور نبی کریم ﷺ نے لونڈیوں تک کہ علم و ادب سکھانے کا حکم دیا تھا۔

چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہوا:

''جس کے پاس کوئی لونڈی ہو اور وہ اس کو خوب تعلیم دے اور عمدہ تہذیب و شائستگی سکھائے پھر اس کو آزاد کرے اس کی شادی کرے تو اس کے لئے دُہرا اجر ہوگا۔''

یہ آپ ﷺ کی توجہات اور تعلیمات کا ہی نتیجہ تھا کہ اس عہد کی خواتین حصول علم کے میدانوں میں مردوں کے شانہ بشانہ آگئیں۔ ازواج مطہرات براہِ راست آپ ﷺ سے تعلیم یافتہ تھیں لہٰذا دیگر خواتین کے لئے وہ مدرسہ ثابت ہوئیں۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا علمی مقام اور حدیث، فقہ میں ان کی فضیلت مسلمہ ہے۔ آنحضرت ﷺ اور اکابر صحابہ اکثر ان سے گفت و شنید فرماتے اور ان سے مشورہ لیتے تھے۔ سیرت و رجال کی رو سے آپ ﷺ کی رائے اکثر صائب ہوتی تھی۔

چونکہ ساری تعلیمات کا مقصد ہی اخلاق و تقویٰ کے لحاظ سے عورت کو بلند مقام عطا کرنا تھا۔ اس لئے آپ ﷺ نے فکری اصلاح کے ساتھ عملی اصلاح پر بہت دھیان دیا بار بار اس پر زور دیا۔ اور خواتین کو وہ تمام احکام سکھائے جو ایک اسلامی معاشرے کا بہترین فرد بننے کے لیے ضروری ہیں۔ خواتین کو بالخصوص یہ ہدایت کی گئی کہ وہ عزت و حیاء کی زندگی گزاریں۔ سنت نبوی ﷺ میں اور احادیث نبوی ﷺ میں قرآن کی روشنی دکھائی دیتی ہے اور آپ ﷺ کی تعلیمات عین اسلامی اور قرآنی تعلیمات دکھائی دیتی ہیں۔ آپ ﷺ نے ان تمام امور کی نشاندہی کی ہے جس سے احتراز کرنا ضروری ہے۔ صحیح مسلم کی ایک روایت ہے:

''وہ عورتیں جو لباس پہننے کے باوجود عریاں رہتی ہیں جو مٹک مٹک کر چلتی ہیں اور جو اونٹ کے کوہان کی طرح اپنے کندھوں کو ہلا کر ناز و ادا کا اظہار کرتی ہیں وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گی۔''

یعنی تعلیمات نبوی ﷺ نے خواتین کے حقوق و فرائض کا جو تعین کیا ہے اور ان کے لئے جو دائرہ کار مخصوص کیا ہے۔ جس میں رہ کر معاشرے کی خدمت سرانجام دے سکتی ہیں وہ اتنا اچھا اور بہترین ہے کہ عورت کے لئے بہترین مقام اس کے گھر کو قرار دیا گیا۔ اس کی اسی نماز کو بہتر قرار دیا گیا جو گھر کے آخری گوشے میں ادا کی گئی ہو، اس طرح سے خواتین کو ذمہ داری اور فرض کا احساس دلایا گیا اور مردوں کو بھی آپ ﷺ نے خواتین پر ظلم نہ کرنے اور بہترین سلوک روا رکھنے کی تلقین فرمائی ہے اور انہیں اس معاملے میں آخرت کے عذاب کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ مردوں سے خواتین کے حقوق کے متعلق پوچھ گچھ ہوگی۔ یہ ہی وہ چیز تھی جن سے عرب کی جاہلیت اور انا کو مرد کے ذہن سے نکالا۔

آپ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر خاص طور پر خواتین کے حقوق و فرائض کو دھرایا تا کہ اس میں کسی قسم کے ابہام و شک و شبے کی گنجائش نہ رہے۔ عبداللہ بن عمرؓ کے مطابق آپ ﷺ نے عورتوں کو اتنے حقوق و مراعات سے نوازا کہ ہم آپ ﷺ کے زمانے میں اپنی عورتوں سے گفتگو میں بے تکلف ہوتے ہوئے ڈرتے تھے کہ کہیں ہمارے متعلق کوئی حکم نہ نازل ہوجائے۔ جب آپ ﷺ رحلت فرماگئے تو پھر کہیں جا کر ہم کچھ بے تکلفی کا مظاہرہ کرنے لگے۔

یہ تھیں وہ تعلیمات جس نے فکر و عمل میں ایسا انقلاب پیدا کیا کہ وہ لوگ جنہیں معصوم زندہ جان کو درگور کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا تھا، اب اس صنف نازک کی چارہ گری اور پرورش کو اپنے لئے سرمایہ حیات اور دوزخ سے نجات سمجھنے لگے تھے۔ وہ لوگ جو عورت کے ساتھ محبت والفت کی روش سے ناواقف تھے انہیں اب اس مظلوم و بے بس خاتون کی فکر دامن گیر ہونے لگی تھی۔ اب وہ مرد قدم قدم پر اس کا خیال رکھتا تھا اور ہوتا بھی کیوں کہ آپ ﷺ نے تو ایک مرتبہ جب خواتین اونٹوں پر جا رہی تھیں اور ایک شخص اونٹوں کو تیزی سے بھگا رہا تھا تو آپ ﷺ نے انتہائی لطیف پیرائے میں فرمایا تھا کہ ''آہستہ چلو اونٹوں پر آبگینے سفر کر رہے ہیں کہیں ٹوٹنے نہ پائیں'' سبحان اللہ! خواتین کی ایسی شاندار تشریح اور توضیح اور اس اچھے انداز میں سرزنش یقیناً محمد مصطفیٰ ﷺ کا ہی خاصا ہے۔

آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ایک پیشن گوئی فرمائی تھی کہ:

''ایک زمانہ میں میری امت پر ایسا وقت آئے گا کہ ایک تنہا خاتون شام سے حجاز تک کا سفر کرے گی اور ہاتھوں میں سونا اچھالتی آئے گی لیکن اسے پوچھنے والا (ڈاکہ ڈالنے والا) کوئی نہ ہوگا۔''

حقوق نسواں اور آزادیٔ نسواں کے سلسلے میں مندرجہ بالا مثال سے بڑھ کر اور کیا مثال ہو سکتی ہے۔

معاشیات کا میدان ہو یا سیاسیات کی وادیٔ پُر خار عورت کو آزادی ہے کہ وہ اپنے مقرر کردہ دائرہ کار میں رہتے ہوئے اپنے فرائض ادا کرے۔ اپنا حق طلب کرے۔ مسلم خواتین نے میدان جنگ میں فرائض سرانجام دیئے۔ نرسنگ کی، پانی پلایا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہوں نے شمشیر و سنا سے زیادہ پُر جوش خطابت و تقریر کے ذریعے جذبہ جہاد کو ابھارا۔

یہ آپ ﷺ کی تعلیم کا ہی نتیجہ تھا کہ حضرت عائشہؓ کی بہن حضرت اسماء بنت بکرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ بن زبیرؓ کو جو کہ حجاج بن یوسف کے خلاف

نبرد آزما تھے۔ اس سوال کے جواب میں کہ دشمن سر پر آن پہنچا ہے اور بچنے کی صورت نہیں، ایسا تاریخی جواب دیا کہ رہتی دنیا تک اس ماں کا جواب قابل فخر و رشک رہے گا فرماتی ہیں:

"بیٹا اگر تم حق پر ہو تو حق کی جانب ہی لوٹ جانا ہے اور اگر حق کی جانب لوگوں کو بلا رہے ہو تو صبر سے کام لو۔ تمہارے ساتھیوں نے لڑتے لڑتے جان دی ہے، لیکن اگر تم نے یہ سارا کھیل دنیا کے لئے کھیلا ہے تو تم دنیا کے بدترین انسان ہو۔ اگر حق پر ہو تو اس لئے جان دینا اچھا ہے، کیونکہ جب ختم ہی ہونا ہے تو کیوں نہ اللہ کی راہ میں قربان ہوں۔"

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیمات خواتین کے حقوق و فرائض کے سلسلے میں ایک ناقابل تردید حقیقت ہیں جس کے اثرات بہت جلد ظاہر ہونے لگتے تھے۔ کیونکہ آپ ﷺ کا منصب یہ نہیں تھا کہ قرآن کو لوگوں تک پہنچادیں، بلکہ آپ ﷺ کا کام ایک ہمہ گیر تحریک کی راہنمائی بھی تھی اس تحریک کی جس میں نصف حصہ خواتین کا بھی تھا لہٰذا اسکے باعث ایک مسلم قوم اور مسلم معاشرہ وجود میں آیا۔ جو ایک مثالی معاشرہ تھا۔ جس میں جنس کے اعتبار سے خواتین و مردوں کے درمیان امتیازی سلوک ختم ہوگیا اور آنحضرت ﷺ تو اس بارے میں اتنے حساس تھے کہ ایک مرتبہ ایک شخص بیان کر رہا تھا کہ کس طرح سے اس نے اپنی بچی کو کھیل کھیل میں گڑھا کھود کر دبادیا اور وہ مجھے پکارتی رہی کہ بابا مجھے کیوں دبا رہے ہو۔ تمہاری داڑھی پر مٹی لگ گئی ہے، مگر مجھ پر شیطان غالب آگیا اور میں نے اسے ختم کردیا آپ ﷺ سنتے جا رہے تھے اور روتے جا رہے تھے اور بقیہ صحابہ بھی رو رہے تھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

"اگر زمانہ جاہلیت کے کسی جرم پر سزا دینا ہوتی تو میں تمہیں اس پر ضرور سزا دیتا۔"

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیمات سے قبل عرب کس حال میں تھے۔ نبوت سے قبل قرآن کے نزول سے قبل خواتین کس ذلت و رسوائی کے عذاب سے گزر رہی ہیں۔ اور اب یہ عام ہے کہ آنحضرت ﷺ خود نماز ادا فرما رہے ہیں تو آپ ﷺ کی پشت پر امامہ بنت زینب تھیں آپ ﷺ سجدے کے وقت انہیں اتارتے اور پھر جب کھڑے ہوتے تو اٹھالیتے۔

اسی طرح سے آنحضرت ﷺ نے خواتین کے نہایت دقیق ازدواجی مسائل اور اس کے متعلق وضاحتیں فرما کر امت مسلمہ پر احسان عظیم فرمایا ہے۔ میاں بیوی کے تعلقات ہوں، شادی بیاہ کا مسئلہ ہو، رشتے کا طے ہونا ہو، طلاق کی نوبت آجائے تو، اگر بہتان لگایا جائے تو، اگر خواتین غلطی کی مرتکب ہوں تو مرد کیا کرے اور اگر خواتین کو مرد سے شکایات ہوں تو کیا صورت ہونی چاہیے۔ ایک طلاق کے بعد رجوع، غصے کی حالت، زبان پر قابو، روپے پیسے کے خرچ کے معاملات، بلا اجازت کوئی کام کرلینا، اسکا کفارہ کیسے ادا کرنا ہوگا۔ خواتین کو خاوند کی جائداد میں سے کتنا حصہ ملے گا۔ اور اس کی جائداد کیسے تقسیم ہوگی۔ شادی کی صورت میں اس کے نان و نفقے کا بندوبست شوہر کے ذمے ہوگا اور اولاد کی تربیت اور رضاعت بیوی کے ذمے ہوگی۔ یعنی اتنے بہترین انداز میں آپ ﷺ نے تعلیمات قرآن کو عملی شکل میں ڈھالا ہے کہ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا مبلغ، راہنما اور مفسر ایسا نہیں کرسکتا ہے۔ آپ ﷺ نے بچپن میں ماں کی شفقت بہت تھوڑا عرصہ دیکھی مگر حلیمہ سعدیہ جب تک زندہ رہیں انہیں ماں کا درجہ و احترام دیا، رضاعی بہن شیما کا از حد احترام کیا اور مثال پیش کی۔ بیوی کی صورت میں حضرت خدیجہ الکبریٰ ؓ کا ساتھ ملا تو دنیا بدل گئی۔ غم گسار ہمدرد ہی نہیں معاشی و مالی طور پر بھی وہ معاون بنیں۔ اور انہیں یہ اعزاز حاصل ہوا کہ ان کی وفات کو "عام الحزن" یعنی غم کا سال قرار دیا۔ اور تمام ازواج مطہرات پر انہیں ہمیشہ فضیلت دی اور ان کا ذکر ہمیشہ کیا۔ اس طرح سے اپنی بیٹیوں، پھوپھیوں وغیرہ سب سے آپ ﷺ نے شاندار حسن سلوک روا رکھا کہ یہ مثالیں ہمارے لئے مشعل راہ بن گئیں ہیں۔

لیکن حق و باطل کی کشمکش جو ازل سے جاری ہے۔ اس نے قرآن کی اس آیت کو **الرجال قوامون علی النساء** کو اس طرح سے عجیب تشریحات کے ساتھ پیش کیا کہ وقت کے ساتھ خواتین اور مردوں کے درمیان خلیج آنا شروع ہوگئی۔ مرد نے اپنے آپ کو برتر جاننا شروع کردیا اور عورت کا استحصال شروع کردیا۔ اور آج وہ دور آگیا ہے کہ ایک بار پھر یوں محسوس ہوتا ہے کہ عورت جنس ارزاں بن کر رہ گئی ہے۔ اس کی کوئی قیمت نہیں ہے یہ بے قدر ہے۔

مغربیت اور یورپی طوفان نے اس طرح معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا کہ عورتیں مادر پدر آزادی اور نام نہاد نعروں سے متاثر ہونے لگی ہیں اور آزادی نسواں اور حقوق نسواں کے فلک شگاف نعرے لگاتی سڑکوں پر نکل آتی ہیں۔ حالانکہ اسلام تو دین فطرت ہے۔ اللہ تو خالق ہے ہمارا اور آپ ﷺ ہی کی تعلیمات اس لئے عین فطری ہیں۔ تخلیق کار خوب جانتا ہے کہ آزادانہ مخلوط اور بالکل بے کار معاشرے کا انجام کیا ہوسکتا ہے۔ اسی لئے تو بہت پہلے ایسا نظام وضع کیا گیا کہ عقبس اور چنگاری کا ملاپ نہ ہی ہو تو بہتر ہے ورنہ تصادم کا خطرہ رہیگا۔

مگر کیا کیجئے طبیعت انسانی کا کہ جنت سے

نکالے جانے کے بعد بھی ممنوعہ کاموں کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ ایسا ہی حال خواتین کا ہے۔ عالمی سطح پر خواتین کے دن منائے جارہے ہیں۔ سیمینار ہورہے ہیں، خطبات ہیں کہ تھمتے ہی نہیں، خیالات ہیں کہ آئے نہیں، مردوں کے خلاف ایک نفرت کی لہر ہے اور اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے ہوئے مرد نے بھی کم نہیں کیا بلکہ شاید اسی کی طرف سے حقوق کی پامالی اور فرائض کی طلبی نے ایسا ماحول پیدا کیا کہ بنت حوا گھر بھی سنبھالتی ہے اور نوکری بھی کرتی ہے۔ بچے بھی پیدا کرتی ہے اور طعنے بھی سنتی ہے۔ نہ اس سے شادی کے بارے میں پوچھا جاتا ہے۔ نہ مشورہ لیا جاتا ہے۔ جائداد میں حصہ کی خاطر زبردستی انگوٹھے لگوائے جاتے ہیں یا پھر قرآن سے نکاح کردیا جاتا ہے۔ کاروکاری کی قبیح رسم عام ہے، اسی پاؤں میں گھنگرو بندھوا کر اسے اس کے بلند مقام سے گرادیا گیا۔ اس کی اجتماعی عزت دری کی گئی۔ اسے بازاروں میں برہنہ پھرایا گیا۔ بیٹی کی پیدائش پر طلاق دے دی گئی، عدل کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا گیا۔ مگر چار عورتوں والی بات یاد رہ گئی، عورت کی کمائی سے نشہ کرنا اور مار پیٹ تو روز کا معمول ہے۔

حالانکہ ہمارے سامنے تو آنحضرت ﷺ کی تعلیمات روشن چراغوں کی طرح سے ہیں۔ ہمارے لئے وہ زندگی ہیں۔ کیونکہ تعلیمات نبوی ﷺ خواتین کو وہ تمام حقوق دیتی ہیں جس کا تقاضا آج کی عورت کرتی ہے۔ ان تعلیمات کی روشنی میں اسے عمل کی آزادی ہے۔ پسند کی اجازت ہے تعلیم حاصل کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ وہ تفریح کرسکتی ہے وہ بن سنور سکتی ہے۔ وہ تجارت کرسکتی ہے۔ وہ سفر کرسکتی ہے۔ وہ ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کے روپ میں قابل احترام ہے۔ اس کو اتنے حقوق دیے گئے ہیں کہ مغرب کا معاشرہ تصور ہی نہیں کرسکتا۔ اسے سیاست کا حق ہے، اسے انتخاب کا حق ہے اسے جہاد کا حق ہے یہ فتویٰ دے سکتی ہے۔ یہ نامناسب حالات میں خلع کا دعویٰ کرسکتی ہے۔ حق مہر کا مطالبہ کرسکتی ہے۔ ظلم و جبر کے خلاف آواز بلند کرسکتی ہے۔

مگر...... چند حدود و قیود کے ساتھ۔ اور یہ حدود و قیود اس لئے ہیں ہم اشرف المخلوقات ہیں شتر بے مہار نہیں۔ اور جب آج کا مہذب معاشرہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ "ہر عظیم مرد کے پیچھے عورت ہے۔" تو پھر خواتین کی اہمیت میں کیا شک ہے۔ نپولین نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ "تم مجھے اچھی مائیں دو میں تمہیں اچھی قوم دوں گا۔ یہ وہ حقیقتیں ہیں یہ وہ راز ہیں جو آپ ﷺ پر وحی کے ذریعے آشکار کردیئے گئے تھے۔ کیونکہ عورت ایک مقدس اور معتبر چیز قرار دی گئی ہے۔ اسے نازک آبگینہ کہا گیا ہے۔ اس پر آنے والی نسلوں کی تربیت کا بوجھ ہے۔ اس لئے اس کو مثال ہونا چاہیے۔

یہ خدا بزرگ و برتر کا احسان عظیم ہے کہ اس نے اپنے پیارے نبی محمد ﷺ کے ذریعے خواتین کے حقوق و فرائض کی مکمل تفسیر پیش کردی۔ آپ ﷺ کی تعلیمات نے اسے نہ صرف خواتین کو ایک اعلیٰ و ارفع مقام دلایا بلکہ مردوں کے شانہ بشانہ چلنے کا حق بھی عطا کیا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنے اولین و بنیادی فرائض کو خواہ وہ ماں کے روپ میں ہوں یا بہن کے روپ میں بیٹی کی شکل میں ہوں یا بیوی کی صورت میں بھول جائے۔

بلکہ اس سے یہ سیدھی سادی مراد یہ ہے کہ خواتین و مرد جو ایک ہی نوع کی مختلف اجناس ہیں جیسا کہ ابتداء میں ذکر ہوا ہے۔ ایک دوسرے کے لباس ہیں۔ ایک دوسرے کی دلجوئی کی خاطر پیدا کئے گئے ہیں، ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے دائرہ کار اور حدود میں اپنائے ہوئے خاندان اور معاشرہ کی فلاح و کامرانی کے لئے اپنے اوپر عائد کردہ ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے بجالائے بالکل ایسے ہی جیسے شمس و قمر، ارض و سماء، لیل و نہار سرانجام دے رہے ہیں۔ اور اسی میں کائنات کی سلامتی و بقاء مضمر ہے۔

خواتین کو آنحضرت ﷺ کی جانب سے حقوق دیئے گئے ہیں۔ جو فرائض بتائے گئے ہیں وہ محض خام خیالی پر مبنی نہیں ہیں۔ شاعر کا تخیل یا فلسفی کی بڑ نہیں ہے۔ بلکہ نہایت ہی پیارے انداز میں آپ ﷺ نے اس کا عملی نمونہ بھی پیش کیا۔ اسی لئے آج بھی خلوت ہو چاہے جلوت، رزم ہو یا بزم ہو، رفتار ہو یا گفتار ہو، معاشیات ہو سیاسیات، مرد ہوں یا خواتین، پوری انسانیت برادری بالعموم اور ملت اسلامیہ بالخصوص آپ ﷺ کے نقشِ قدم پر چل کر نجات کی راہ پر گامزن ہوسکتی ہے کیونکہ آپ ﷺ کا پیغام لافانی ہے ابدی ہے۔ ہر دور کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ بالخصوص ہم خواتین کو یہ توفیق عطا فرمائے کہ ہم آپ ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں نہ صرف اپنے حقوق کو سمجھیں اور ان کا استحصال نہ ہونے دیں بلکہ اس کے ساتھ اپنے فرائض کو بھی جانیں اور انہیں پوری ایمانداری سے سرانجام دیں۔ اسی طرح ہمارا معاشرہ کفر و شرک کے ہمالیہ کو استحقار کی ٹھوکر سے پاش پاش کرسکتا ہے۔ انہی تعلیمات کو سمجھ کر مرد و زن کے اختلافات دور ہوسکتے ہیں۔ اور معاشرے سے لاتعداد برائیوں کے خاتمے کا بھی امکان اسی میں پوشیدہ ہے۔

اس امید کے ساتھ کہ جبر کی سیاہ رات ختم ہوگی اور بے عملی کی منجمد برف پگھلے گی اور پت جھڑ کے موسموں کے بعد بہت جلد ہم لوگ اپنے اصلی پیشوا آقائے نامدار محمد مصطفیٰ ﷺ تعلیمات کی روشنی میں مثالی معاشرہ قائم کرینگے۔ ❁

ام المومنین سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا

حکیم محمود احمد اظہر

نام ونسب

☆ نام سودہؓ تھا، قبیلہ عامر بن لوئی سے تعلق تھا۔ جو قریش کا ایک مشہور قبیلہ تھا۔ باپ کی طرف سے سلسلہ نسب حسب ذیل ہے۔

سودہؓ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی۔

ماں کی طرف سے سلسلہ نسب حسب ذیل ہے۔

الشموس بنت قیس بن زید بن عمرو بن لبید بن خداش بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار۔

شموس کی والدہ حضرت عبدالمطلب کی والدہ سلمٰی عمرو بن زید کے بھائی کی بیٹی تھی۔ اس وجہ سے بنونجار سے تعلق تھا اور سیدہ سودہؓ کی کنیت ام الاسود تھی۔

حضور ﷺ کے حرم میں آنے سے قبل سکران بن عمرو بن عبد شمس بن عبدود کے حبالہ عقد میں تھیں۔ سکران ان کے والد کے چچازاد بھائی تھے اور سہیل بن عامر بن لوئی اور سہیل اور حاطب اور سلیط کے بھائی تھے۔ یہ سارے کے سارے بھائی تھے۔

نکاح

ابتدا میں مشرف باسلام ہوئیں۔ ان کے شوہر نے بھی دعوت اسلام پر لبیک کہا اور دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے۔ اس لحاظ سے دونوں میاں بیوی قدیم الاسلام ہیں ہجرت حبشہ اولیٰ کے وقت تو دونوں میاں بیوی مکہ مکرمہ ہی میں مقیم رہے اور کفار مکہ کی سختیاں جھیلتے رہے، لیکن جب مشرکین کے ظلم وستم اپنی انتہا کو پہنچے تو مہاجرین کی ایک بہت بڑی تعداد حبشہ کی ہجرت پر آمادہ ہوگئی۔ چنانچہ ۸۶ مردوں اور ۱۷ عورتوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ ان میں سیدہ سودہؓ اور ان کے خاوند سکرانؓ بن عمرو بھی تھے۔

کئی برس گزارنے کے بعد جب سیدہ سودہؓ واپس آئیں تو ان کے خاوند سکرانؓ کا مکہ میں انتقال ہوگیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ سکرانؓ کا انتقال مکہ میں نہیں بلکہ حبشہ میں ہوا۔ یہ موسیٰ بن عتبہ اور ابو معشر کا قول ہے۔

حریم نبوت میں داخلہ

سکرانؓ کے انتقال کے بعد یہ سرکار دو عالم ﷺ کے حبالہ عقد میں آئیں۔ ایک روایت کے مطابق سیدہ خدیجہؓ کے انتقال کے بعد حضور ﷺ نے دوسرا نکاح ان سے کیا۔

سیدہ خدیجہؓ کے انتقال سے سرکار دو عالم ﷺ نہایت غمگین و پریشان تھے کیونکہ وہ ہر مشکل وقت میں آپ ﷺ کی غم خواری اور غم گساری کرتی تھیں۔ آپ ﷺ کی اس حالت کو دیکھ کر عثمانؓ بن مظعون کی اہلیہ محترمہ سیدہ خولہ بنت حکیمؓ نے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! آپ ﷺ کو ایک مونس وغم گسار رفیق کی ضرورت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ آپ ﷺ کے ایماء سے وہ سیدہ سودہؓ اور ان کے والد ماجد کے پاس گئیں۔ سیدہ خولہؓ نے کہا کہ "اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر خیر و برکت کے دروازے کھول دیے ہیں۔" انہوں نے کہا وہ کیا؟ سیدہ خولہؓ نے کہا کہ "مجھے رسول اللہ ﷺ نے تیری طرف بھیجا ہے تا کہ میں تجھے ان کی طرف سے شادی کا پیغام دوں۔" سیدہ سودہؓ نے فرمایا کہ "مجھے منظور ہے لیکن آپ میرے والد کے پاس جائیں اور انہیں یہ بتائیں۔"

سیدہ خولہؓ فرماتی ہیں کہ میں سودہؓ کے والد جو نہایت بوڑھے تھے کے پاس گئی اور انہیں جاہلیت کے طریقہ کے مطابق "انعم صباحا" کہہ کر سلام کیا۔

انہوں نے پوچھا: کون ہے؟

میں نے جواب دیا: خولہؓ

انہوں نے کہا: مرحبا، کہو کیسے آئی ہو؟

سیدہ خولہؓ نے جواب دیا: "محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب نے آپ کی بیٹی کے لیے شادی کا پیغام دیا ہے۔" انہوں نے کہا: "ہاں محمد ﷺ کریم کفو ہیں (ھو کفو کریم) لیکن تیری سہیلی سودہؓ کیا کہتی ہے؟"

خولہؓ نے جواب دیا کہ اسے یہ پیشکش قبول ہے۔

غرض اس طرح سب مراتب طے ہوگئے۔ سرکار دو عالم ﷺ خود وہاں تشریف لے گئے۔ سودہؓ کے والد نے نکاح پڑھایا اور چار سو درہم زر مہر مقرر ہوا۔

نکاح کے بعد سیدہ سودہؓ کے بھائی عبداللہ بن زمعہ جو اس وقت دولت ایمان سے محروم تھے۔ آئے اور انہیں یہ معلوم ہوا کہ سودہؓ کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے ہوا ہے۔ یہ سن کر انہیں بہت افسوس ہوا اور اپنے سر میں خاک ڈال لی۔ بعد میں جب وہ دولت اسلام سے مشرف ہوئے تو ساری زندگی اس حماقت پر افسوس کرتے رہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ سیدہ سودہؓ کے نکاح سے قبل سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا نکاح حضور ﷺ سے ہوا تھا۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر نے اسی کو صحیح کہا ہے کہ سیدہ عائشہؓ کا نکاح سیدہ سودہؓ سے پہلے ہوا تھا۔

عام حالات

سیدہ سودہؓ کے عام حالات کوئی اتنے زیادہ کتابوں میں مذکور نہیں۔ نبوت کے تیرھویں سال میں جب سرکار دوعالم ﷺ نے ہجرت فرمائی اور مدینہ تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے وہاں سے سیدنا زید بن حارثہؓ کو مکہ مکرمہ بھیجا تا کہ وہ سیدہ سودہؓ اور دیگر اہل خانہ کو مدینہ طیبہ لے آئیں۔ چنانچہ وہ سیدہ سودہؓ، سیدہ فاطمہؓ اور سیدہ ام کلثومؓ کو اپنے ساتھ مدینہ لے آئے۔ ان کے آنے سے قبل حضور ﷺ نے ان کے رہنے کے لیے ایک مکان تیار کروایا تھا۔

سیدنا صدیق اکبرؓ کا خاندان بھی مدینہ طیبہ آ گیا اور یہاں کچھ عرصہ کے بعد سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کی رخصتی ہوگئی۔ اب حریم نبوت میں سیدہ سودہؓ اور سیدہ عائشہؓ تھیں، ایک بوڑھی عورت اور دوسری جوان عورت تھی۔ دونوں میں بعض دفعہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں مزاح بھی ہوتا اور چھیڑ چھاڑ بھی۔

سیدہ سودہؓ اور سیدہ عائشہؓ رسول اللہ ﷺ کے حبالہ عقد میں آگے پیچھے آئی تھیں۔ سیدہ سودہؓ جب بوڑھی ہوگئیں تو ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کہیں سرکار دوعالم ﷺ مجھے طلاق نہ دے دیں اور وہ شرف صحبت اور شرف زوجیت سے محروم نہ ہو جائیں۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ وہ قیامت کے روز آپ ﷺ کی ازواج میں سے اٹھیں۔ چنانچہ انہوں نے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ میں اپنی باری عائشہؓ کو دیتی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ بھی اس پر راضی ہوگئے اور سیدہ عائشہؓ بھی اس پیشکش سے خوش ہوگئیں۔

۱۰ ہجری میں سرکار دو عالم ﷺ نے حج فرمایا۔ اس موقع پر سیدہ سودہؓ بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھیں چونکہ آپ بلند و بالا اور فربہ اندام تھیں اس وجہ سے تیزی کے ساتھ چل پھر نہ سکتی تھیں بلکہ سست رفتار تھیں لہٰذا رسول اللہ ﷺ سے اجازت چاہی کہ لوگوں کے مزدلفہ روانہ ہونے سے قبل ان کو جانے کی اجازت دی جائے۔ حضور ﷺ نے اجازت مرحمت فرمادی۔ چنانچہ وہ لوگوں سے پہلے مزدلفہ روانہ ہوگئیں کیونکہ انہیں بھیڑ میں چلنے سے تکلیف ہوتی تھی۔

وفات

ایک مرتبہ ازواج مطہراتؓ بارگاہ رسالت پناہ میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں سب سے پہلے کون مرے گا؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: جس کے ہاتھ سب سے لمبے ہوں گے۔ ازواج مطہراتؓ نے اس کے ظاہری معنی سمجھے اور آپس میں ہاتھ ناپنے شروع کیے۔ سب سے بڑا اور لمبا ہاتھ سیدہ سودہؓ کا تھا۔ لیکن جب سب سے پہلے سیدہ زینبؓ کا انتقال ہوا تو معلوم ہوا کہ ہاتھ کی لمبائی سے آپ ﷺ کا مقصود سخاوت اور فیاضی تھی۔

بہرحال واقدی نے ان کا سن وفات خلافت معاویہؓ میں شوال ۵۴ھ بتایا ہے کہ مدینہ طیبہ میں شوال ۵۴ھ میں انتقال فرمایا۔

لیکن مشہور اور ثقہ لوگوں کی روایت یہ ہے کہ سیدنا عمرؓ کی خلافت کے اخیر میں مدینہ طیبہ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ سیدنا عمرؓ کی وفات ۲۳ھ میں ہوئی اس لیے خیال ہے کہ سیدہ سودہؓ کی وفات ۲۲ھ میں ہوئی یہ تاریخ الخمیس میں بھی روایت ہے اور یہی صحیح ہے۔ اسی پر سب کا اتفاق ہے۔

اولاد

سیدہ سودہؓ کا سکرانؓ سے ایک لڑکا تھا جس کا نام عبدالرحمٰن تھا۔ انہوں نے جنگ جلولاء (فارس) میں جام شہادت نوش فرمایا۔ دوسرا نکاح رسول اللہ ﷺ سے ہوا۔ آپ ﷺ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

خصائص وفضائل

ازواج مطہراتؓ میں سیدہ سودہؓ سب سے زیادہ دراز قد اور فربہ اندام تھیں سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جس نے انہیں دیکھا اس سے وہ چھپ نہیں سکتی تھیں (کیونکہ دوسری عورتوں سے بلند و بالا تھیں) زرقانی اور دیگر علماء نے بھی لکھا ہے کہ وہ دراز قد تھیں۔

مرویات حدیث

حریم نبوت میں رہنے کی وجہ سے سیدہ سودہؓ دن رات ارشادات نبوت سے مستفید ہوتی تھیں۔ لیکن حدیث کی کتابوں میں ان سے صرف پانچ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بخاری میں صرف ایک ہے۔ صحابہ میں سے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن اسعد بن زرارہ نے ان سے روایت کی ہے۔

اخلاق

سیدہ سودہؓ اخلاق نبوت کی ایک جیتی جاگتی تصویر تھیں۔ اطاعت وفرمانبرداری تو ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ حضرت ابوھریرہؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی ازواج مطہراتؓ سے فرمایا: ''میرے بعد گھر میں بیٹھنا، سیدہ سودہؓ نے آپ ﷺ کے اس فرمان پر اس شدت سے عمل کیا کہ پھر کبھی حج کے لیے نہ گئیں۔ فرماتی تھیں کہ میں حج اور عمرہ دونوں کر چکی ہوں اور اب رسول خدا ﷺ کے حکم کے مطابق گھر میں بیٹھوں گی۔

امام احمد بن حنبلؒ کی روایت کے مطابق سب ازواج مطہراتؓ نے رسول اللہ کے انتقال کے بعد کئی حج کیے لیکن سیدہ زینبؓ بنت جحش اور سیدہ سودہؓ بنت زمعہ نے آپ ﷺ کے انتقال کے بعد کوئی حج نہیں

کیا بلکہ برابر گھر میں بیٹھی رہیں بلکہ فرمایا کرتی تھیں۔ ''بخدا رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے بعد ہم اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گی۔''

جود و سخا اور فیاضی میں بھی ان کا ایک خاص مقام تھا۔ سیدہ عائشہؓ کے علاوہ وہ اس وصف میں بھی سب سے ممتاز تھیں۔ درہم و دینار سے انہیں کوئی محبت نہ تھی۔ جو کچھ آتا تھا اس کو راہ خدا میں خرچ کر دیتی تھیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا عمر بن الخطابؓ نے آپ ﷺ کی خدمت میں درہموں سے بھری ہوئی ایک تھیلی بھیجی۔ لانے والے سے پوچھا: اس میں کیا ہے؟ انہوں نے کہا درہم، فرمانے لگیں کھجور کی طرح درہم بھی اب تھیلی میں بھیجے جانے لگے؟ یہ کہہ کر وہ سارے کے سارے اللہ کے رستہ میں تقسیم کر دیے۔

سیدہؓ کی طبیعت میں ظرافت و مزاح کا عنصر بھی تھا۔ ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ سے کہنے لگیں کہ کل رات میں نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تھی۔ آپ ﷺ نے اس قدر دیر تک رکوع کیا کہ مجھ کو نکسیر پھوٹنے کا شبہ ہو گیا اس لیے میں دیر تک ناک پکڑے رہی۔ حضور ﷺ یہ سن کر مسکرائے۔

اس ظرافت اور مزاح کے ساتھ طبیعت میں کچھ تیزی اور حدت بھی تھی۔ سیدہ عائشہؓ ان کی بہت معترف تھیں، لیکن فرمایا کرتی تھیں کہ وہ بہت جلد غصے میں آجاتی ہیں۔ ایک دفعہ کہیں جا رہی تھیں۔ راستہ میں سیدنا عمرؓ مل گئے۔ چونکہ سیدہ سودہؓ دراز قد تھیں۔ اس وجہ سے سیدنا عمرؓ نے پہچان لیا۔ سیدنا عمرؓ کو ازواج مطہرات کا باہر نکلنا اچھا نہیں لگتا تھا اور وہ نبی اکرم ﷺ کے حضور پردہ کی تحریک بھی کر چکے تھے۔ لہٰذا بولے: سودہؓ! میں نے تمہیں پہچان لیا۔ سیدہ سودہؓ کو عمرؓ کی یہ بات ناگوار گزری اور نبی اکرم ﷺ کے پاس جا کر شکایت کی۔ اس واقعہ کے بعد آیت حجاب نازل ہوئی۔

ترمذی اور طبرانی وغیرہ میں سیدنا ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ سیدہ سودہؓ کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں سرکار دو عالم ﷺ انہیں طلاق نہ دے دیں۔ سیدہ سودہؓ نے عرض کیا کہ آپ ﷺ مجھے طلاق نہ دیں بلکہ اپنے ہاں رکھیں۔ میں اپنی باری عائشہؓ کو دے دیتی ہوں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی باری سیدہ عائشہؓ کو دے دی۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:۔

''پس کوئی گناہ نہیں کہ دونوں باہم ایک خاص طور پر صلح کر لیں اور یہ صلح بہتر ہے۔'' (القرآن) ❁

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

شفاعت رسول

☆ آپ کا نام ابوالحسن ہے۔ سلسلۂ نسب حضرت امام حسن سے ملتا ہے۔ غزنی کے قریب ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ہجویر اور جلاب غزنی کے دو علاقے ہیں۔ اسی نسب سے ہجویری کہلائے۔ ابتدائی زندگی اور تعلیم کے متعلق زیادہ معلومات میسر نہیں۔ لیکن ان کی تصنیف کشف المحجوب سے ان کی غیر معمولی علمی اور دینی استعداد کا پتہ چلتا ہے۔ طریقت کی منزلیں طے کرنے کے لئے آذر بائیجان، خوزستان، بغداد، دمشق، طبرستان، ترکستان اور دوسرے مسلمان ممالک کا سفر کیا اور جید اہل علم اور اہلِ نظر سے فیض حاصل کیا۔ ان میں ابوالقاسم قشیری، ابوسعید ابوالخیر ابو العباس اشقانی اور ابو القاسم گرگانی بطورِ خاص قابل ذکر ہیں۔ اس کے بعد لاہور آ کر سکونت اختیار کی۔ یہ سلطان محمود غزنوی کا زمانہ تھا۔ لاہور میں تصنیف و تالیف کے ساتھ اشاعتِ اسلام کے کام میں مشغول ہوئے۔ سینکڑوں لوگ حلقہ بگوشِ اسلام کیے۔ ان میں لاہور کا ایک راجہ بھی شامل تھا۔ تصوف اور علوم دینیہ میں آپ کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ خواجہ معین الدین چشتی اور بابا فرید الدین گنج شکر جیسے ولیوں نے آپ کے مزار پر چلہ کشی کی اور سلوک کی منزلیں طے کیں۔ کہا جاتا ہے کہ خواجہ معین الدین اجمیری اعتکاف ختم کر کے جب رخصت ہونے لگے تو انہوں نے یہ شعر پڑھا۔ جواب لوحِ مزار پر کندہ ہے۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نورِ خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

☆ آپ نے فرمایا کہ تصوف کی بنیاد آٹھ چیزوں پر ہے۔ (۱) سخاوت حضرت ابراہیمؑ کی (۲) رضا حضرت اسماعیلؑ کی (۳) صبر حضرت ایوبؑ کا (۴) ارشادات حضرت ذکریاؑ کے (۵) غربت حضرت یحییٰؑ کی (۶) لیاقت حضرت عیسیٰؑ کی (۷) لباس حضرت موسیٰؑ کا اور (۸) فقر حضرت محمد ﷺ کا۔

☆ پھر فرمایا: دس چیزیں دس چیزوں کو کھا جاتی ہیں۔ توبہ گناہ کو۔ جھوٹ رزق کو۔ غیبت عمل کو۔ غم عمر کو۔ صدقہ بلا کو۔ غصہ عقل کو۔ پشیمانی سخاوت کو۔ تکبر علم کو۔ نیکی بدی کو اور عدل ظلم کو۔

☆ علم ہی کے ذریعے مراتب و درجات بلند ہوتے ہیں علم کی دو قسمیں ہیں علم الحقیقت اور علم خلق۔ جس شخص کو علم حقیقت یعنی خدا تعالیٰ کا علم نہیں اس کا دل جہالت کی وجہ سے مردہ ہے اور جس کے پاس خدا کا عطا کردہ علم خلق یعنی علم شریعت نہیں اس کا دل نادانی کے مرض میں مبتلا ہے۔

☆ فقر کا درجہ خدا تعالیٰ کے نزدیک بہت بلند اور افضل ہے۔

☆ نفس کی موافقت باعث ہلاکت اور اس کی مخالفت باعث نجات ہے۔

☆ حضرت داتا گنج بخشؒ نے تین قسم کے لوگوں سے بچنے اور دور رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔

(۱) غافل علماء سے جنہوں نے دنیا کو دل کا کعبہ، شریعت کو گھر کی لونڈی اور ظالم امراء کی بارگاہ کو محض جاہ و ثروت کی خاطر سجدہ گاہ بنالیا ہے۔

(۲) ریاکار فقراء سے جو صرف اپنی نفسیاتی خواہشات کی خاطر لوگوں سے عزت اور شہرت کے طلب گار رہتے ہیں۔

(۳) جاہل متصوف (صوفی) سے جس نے نہ کسی مرشد کی صحبت اختیار کی ہو اور نہ کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ہو۔

☆ شیخ علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ مشائخ طریقت کی ایک جماعت نے راہ ملامت اختیار کی ہے ملامت خلوصِ محبت میں بہت تاثیر رکھتی ہے اور ذوق کامل کی نشاندہی کرتی ہے۔

☆ کشف المحجوب میں تحریر ہے کہ صوفی وہ ہے جو ایک ہاتھ میں قرآن مجید اور دوسرے ہاتھ میں سنت رکھتا ہو۔

☆ خاص لوگوں کی توبہ یہ ہے کہ ریاضتوں کے تہہ خانہ میں قتل نفس کریں اور باطن میں قتل نفس، آرزوئیں اور مرادیں قطع کرنے سے ہوتا ہے۔

اپنی مشہور معروف کتاب کشف المحجوب بھی آپ نے لاہور میں لکھی تھی۔ آپ نے گیارہ ملکوں کا سفر کیا اور بے شمار اللہ والوں سے فیض حاصل کیا۔ خدمت اسلام اور فریضہ تبلیغ ادا کرنے کے بعد ستر برس کی عمر میں رشد و ہدایت کا چمکتا ہوا آفتاب اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔ آپؒ کا سن وفات 1072 عیسوی مطابق 465 ھجری ہے۔ ❀

دورِ حاضر کے چند آثار و تبرکات نبوی ﷺ

سید عطاء اللہ

☆ موجودہ دور میں دنیا کے مختلف مقامات پر آنحضرت ﷺ کی ذات والاصفات سے منسوب تبرکات پائے جاتے ہیں۔

یہ آثار جہاں بھی اور جس کے پاس بھی ہیں ان کو بڑی حفاظت اور احترام کے ساتھ رکھا جاتا ہے۔ نہایت ادب کے ساتھ ان کی زیارت کرائی جاتی ہے۔ بعض جگہ یہ تبرکات بلاوقت اور بلا تخصیص وقت دیکھے جاسکتے ہیں اور بعض متولی اپنی مخصوص مذہبی تقاریب اور مجالس میں ان کو دکھاتے ہیں۔ اہل عقیدت ان تبرکات سے اپنے فرطِ عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ اگرچہ ان تبرکات کی بنیادی حیثیت حدیث رسول ﷺ کی طرح مسلسل غیر منقطع روایت کی طرح تو نہیں لیکن ان تبرکات کا تاریخی پس منظر ضرور ہے۔ ایسے چند مشہور مقامات اور ان میں موجود تبرکات نبویہ کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

1-توپ کاپی (Top kapi Museum) سرائے استنبول

ترکی زبان میں سرائے، محل کو کہتے ہیں اور کاپی دروازے کو لہٰذا "توپ کاپی سرائے" کے معنی ہیں "توپ دروازہ" اسی لیے اسے عربی میں باب المدفع بھی کہتے ہیں۔

بازنطینی دور میں یہاں قسطنطنیہ پر حملہ کیا تو مسلمانوں نے اپنی ایک بھاری توپ اس دروازے کے سامنے نصب کی تھی اور مسلمانوں کی گولہ باری سے سب سے زیادہ نقصان اسی دروازے کو پہنچا تھا۔ پھر فتح کے بعد سلطان محمد فاتح اسی دروازے سے شہر میں داخل ہوئے تھے۔ اس بناء پر اس دروازے کا نام توپ کاپی (توپ دروازہ) مشہور ہوگیا۔ بعد میں اس جگہ سلطان محمد فتح نے ۸۶۳ھجری/۱۴۵۰ء میں ایک محل بھی تعمیر کیا جو سلاطین آل عثمان کے دور میں سلطان محمد فاتح سے لے کر سلطان عبدالحمید تک سلاطین کی رہائش گاہ وغیرہ کے لیے بھی استعمال کیا گیا۔ آج تک اس محل کو ایک تاریخی یادگار کے علاوہ ایک عجائب گھر کے طور پر بھی استعمال کیا جارہا ہے جو اپنے پیش قیمت نوادر کے لحاظ سے دنیا کے بہترین اور امیر ترین عجائب گھروں میں شمار ہوتا ہے۔

اس محل کے دروازے میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے ایک کشادہ صحن سے گزر کر "قصر محمد الفاتح" کے نام سے ایک عمارت نظر آتی ہے جس کے سامنے ایک برآمدہ ہے۔ اس برآمدے کے سامنے صحن کے بیچوں بیچ فرش پر ایک بڑا سوراخ ہے۔ یہ ایک دور میں جھنڈا گاڑنے کی جگہ تھی جہاں صدیوں تک خلافت عثمانیہ کا سرخ ہلالی پرچم لہراتا رہا۔ وہ پرچم جس نے سالہا سال تک یورپ کی طاقتوں کو اپنے آگے سرنگوں رکھا جو صدیوں تک عالم اسلام کے اتحاد کی علامت بنا رہا اور جو آل عثمان کے دور میں دنیا کے تین براعظموں پر مسلمانوں کی شوکت کے نشان کے طور پر لہرایا۔ آج اس کی یادگار کے طور پر صرف یہ سوراخ رہ گیا ہے۔ جس کا خلا اس پرچم کے اکھڑنے کے بعد آج تک بھرا نہیں جاسکا۔

تبرکات کی تفصیل

توپ کاپی میوزیم میں متعدد ہال ہیں۔

ایک ہال میں سرور دوعالم ﷺ کی دو تلواریں چاندی کے ایک صندوق میں رکھی ہوئی ہیں۔ آپ ﷺ کا وہ جھنڈا جس کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ غزوہ بدر میں استعمال کیا گیا اور آپ ﷺ کے وہ دندان مبارک ایک ڈبہ میں رکھے ہوئے ہیں جو غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے۔ یہیں ایک صندوق میں آنحضرت ﷺ کا جبہ مبارک ہے۔ ایک دوسرے ہال میں جسے قاعۃ العرش کہتے ہیں آپ ﷺ کا مکتوب گرامی بنام مقوقس سونے کے فریم میں رکھا ہوا ہے۔ یہ ہال میوزیم کا سب سے زیادہ مقدس حصہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی جگہ حضور اکرم ﷺ کا موئے مبارک اور مہر مبارک ہے جو گلابی رنگ کے عقیق کو تراش کر لکھی گئی ہے۔ اس کی شکل بیضوی ہے۔ میوزیم کے اس حصے میں ہر وقت پہرہ ہوتا ہے۔

ان تبرکات کو انتہائی نفیس لکڑی کے صندوقوں میں رکھا گیا ہے اور سال میں صرف ایک بار رمضان کی ستائیسویں شب میں انہیں باہر نکال کر ان کی زیارت کرائی جاتی ہے۔ عام دنوں میں یہ تبرکات صندوقوں میں بند رہتے ہیں اور صرف صندوق ہی دیکھے جاسکتے ہیں۔ تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تبرکات بنو عباس کے خلفاء کے پاس موجود تھے۔ چنانچہ یہ آخری عباسی خلیفہ المتوکل کے حصے میں آئے، وہ آخر میں مصر کے اندر مملوک سلاطین کے زیر سایہ زندگی بسر کررہا تھا۔ دسویں صدی ہجری میں جب حجاز اور مصر کے علاقوں نے عثمانی سلطان سلیم اوّل کی سلطنت تسلیم کی اور ان کو خادم الحرمین الشریفین کا منصب عطا کیا گیا تو عباسی خلیفہ المتوکل نے خلافت کا منصب بھی سلطان سلیم کو سونپ دیا اور مقامات مقدسہ وحرمین شریفین کی کنجیاں اور یہ تبرکات بھی بطور سند خلافت ان کے حوالے کردیئے۔ لہٰذا سلطان سلیم دسویں صدی میں یہ تبرکات مصر سے استنبول لے کر آئے اور یہ اہتمام کیا

کہ ''توپ کاپی سرائے'' میں ان کو محفوظ رکھنے کے لیے ایک مستقل ہال بنوایا۔ سلطان کی طرف سے ان تبرکات کی قدردانی اور ان سے عشق محبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب تک سلطان سلیم زندہ رہے۔ استنبول میں قیام کے دوران اس کمرے میں انہوں نے حفاظ قرآن کو مقرر کیا کہ وہ چوبیس گھنٹے یہاں تلاوت کرتے رہیں، اسی طرح یہ سلسلہ چارسو سال تک مسلسل جاری رہا یعنی تلاوت قرآن پاک مسلسل ہوتی رہی اور اسی دوران ایک لمحے کے لیے بھی سلسلۂ تلاوت بند نہیں ہوا، خلافت کے خاتمے کے بعد یہ سلسلہ موقوف ہوا۔

2- درگاہ آثار شریف جامع مسجد، دہلی

یہاں کے تبرکات نبوی ﷺ کی تفصیل یہ ہے۔

1- موئے مبارک (ایک ڈبیہ میں دوسراٹین کی نلکی میں
2- نعلین شریف
3- نقش قدم شریف
4- غلاف مزار اقدس ﷺ
5- جبہ شریف

ان تبرکات کی تاریخ کچھ اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ ۲۳ جمادی الاخریٰ ۸۰۳ھ/ ۱۴۰۱ء کو جب امیر تیمور نے دمشق فتح کیا تو وہاں کے اہلِ سادات اور قاضی حضرات اس کی خدمت میں زرو جواہر کے ساتھ چند نایاب تبرکات لے کر حاضر ہوئے۔ امیر تیمور انہیں حاصل کرکے بہت خوش ہوا۔ پھر یکم ربیع الاوّل ۸۰۵ھ/۱۴۰۲ء کو جب اس نے سلطان بایزید یلدرم والی روم کو شکست دی تو اس نے بھی چند تبرکات امیر تیمور کی خدمت میں پیش کیے۔ امیر ان سب تبرکات کو لے کر سمرقند واپس چلا آیا۔ امیر تیمور کی وفات کے بعد یہ تبرکات نسل در نسل اس کے وراثوں کے قبضہ میں رہے۔ بابر انہیں اپنے ساتھ ہندوستان لایا۔ اس طرح یہ تبرکات یہاں پہنچے۔

3- تبرکات نبوی ﷺ بادشاہی مسجد، لاہور

یہ مسجد شہنشاہ عالمگیر کے حکم پر ۱۰۸۴ھ/۷۳-۱۶۷۲ء میں تیار کی گئی تھی۔ مسجد کے شرقی دروازے کی ایک منزل میں حضور ﷺ کی چند یادگاریں تبرکاً شیشوں میں محفوظ ہیں۔

ان تبرکات میں آنحضرت ﷺ کا سبز عمامہ مع ٹوپی ہے۔ ایک سبز جبہ، سفید پاجامہ، نعلین، نقش قدم مبارک اور سفید علم کہ جس پر قرآن پاک کی آیات منقوش ہیں شامل ہیں۔

ان تبرکات کی کڑی بھی ان تبرکات سے ملائی جاتی ہے جو امیر تیمور اپنے ساتھ ہندوستان لائے تھے اور جن میں بعض تبرکات جامع مسجد دہلی میں محفوظ ہیں البتہ بادشاہی مسجد لاہور کے تبرکات کے متعلق یہ اضافہ کیا جاتا ہے کہ یہ محمد شاہ بادشاہ المتوفی ۱۷۴۸ء کی ملکیت میں آئے تھے۔ اس کے بعد اس کی بیٹی مغلانی بیگم کو ملے پھر لاہور کے مختلف سکھ خاندانوں کے قبضے میں آئے اور بالآخر جامع مسجد لاہور میں داخل کیے گئے۔

''تاریخ لاہور'' اور'' واقعات دارالحکومت دہلی'' جیسے مستند مآخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ جامع مسجد دہلی و بادشاہی مسجد لاہور کے یہ تبرکات امیر تیمور کے مہیا کردہ تھے جو اس کو فتح دمشق کے بعد ۱۴۰۲ء میں دمشقی امراء اور سلطان یلدرم بایزید سے بطور تحفہ حاصل ہوئے تھے۔ ۱۴۰۴ء میں امیر تیمور کا انتقال ہوگیا۔ گویا یہ تبرکات صرف دو برس اس کے پاس رہے۔ اس نے بذات خود ان کو کہیں داخل نہیں کیا بلکہ اس کے انتقال کے بعد اس کے ورثاء کی تحویل میں آئے تاآنکہ بابر بادشاہ اپنے عہد میں (۱۵۲۶ء تا ۱۵۳۱ء) میں ان کو ہندوستان لایا۔

بابر کے متعلق صرف اتنا کہا گیا ہے کہ وہ تبرکات کو ہندوستان میں لایا مگر انہیں کہاں رکھا اس کا پتہ نہیں چلتا۔ ظاہر ہے کہ مسجد دہلی اور لاہور دونوں مساجد کا اس وقت کوئی وجود ہی نہ تھا۔ لہٰذا یہ سوال اپنی جگہ ہنوز تحقیق طلب ہے کہ جامع مسجد دہلی کے تبرکات کس نے داخل کیے اور جامع مسجد، لاہور کے تبرکات جو محمد شاہ بادشاہ کی ملکیت تھے ۱۷۶۱ء سے قبل اس کی ملکیت میں کب اور کیونکر آئے۔ زیادہ سے زیادہ آخرالذکر تبرکات جامع مسجد، لاہور کے متعلق قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ وہی تبرکات ہوں گے جو بابر ہندوستان لایا تھا۔ اس کی وفات کے بعد یہ اس کے جانشینان دہلی کے پاس یکے بعد دیگرے منتقل ہوتے ہوئے محمد شاہ بادشاہ کو حاصل ہوئے اور بعد ازاں جامع مسجد، لاہور میں داخل ہوگئے۔ معاملہ جب محض قیاس ہی پر ٹھہرا تو ہم نہایت آسانی کے ساتھ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ بابر کے ورثے میں شاید جامع مسجد، دہلی کے تبرکات بھی ملے ہوں گے اور وہ بھی اس کے جانشینوں میں سے کسی بادشاہ کے ذریعہ جامع مسجد دہلی میں پہنچے ہوں گے۔

4- موئے مبارک ﷺ بمقام نورمحل

اوچ ضلع دیر صوبہ سرحد کا ایک قدیم تاریخی گاؤں ہے جو چکدرہ سے تیمرگرہ کی طرف تقریباً دس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس گاؤں اوچ میں ایک مسجد میں ایک (کمرہ) جسے نورمحل کا نام دیا گیا ہے، میں آپ ﷺ کا موئے مبارک ہے۔ اس کی تاریخ یوں بیان کی جاتی ہے کہ اوچ سے ایک عالم دین مولانا اخوند نسیم صدیقی ؒ معروف بہ بابا اوچ حصول علم کے لیے دہلی گئے تھے۔ علوم ظاہریہ سے

مستفید ہونے کے بعد مرزا مظہر جان جاناںؒ شہید دہلوی سے بیعت ہوئے اور بارہ سال تک ان کی خدمت میں رہ کر معارف باطنی کی تکمیل کی اور جب موصوف واپس اوچ تشریف لا رہے تھے تو مظہر جان جاناں نے دیگر تبرکات کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا موئے مبارک بھی عطا فرمایا۔ (مرزا مظہر جان جاناں کو یہ تبرکات دہلی کے بادشاہ وقت سے حاصل ہوئے تھے) مولانا محمد نسیم صاحب جب اپنے علاقے میں آئے تو پانچ اونٹوں پر تقریباً ۵۰۰ کتابوں کے قلمی نسخوں کے ساتھ یہ موئے مبارک بھی ہمراہ لائے۔ اس وقت سے خاندان نسیمی صدیقی کے پاس سے یہ سب علمی ورثہ و نوادرات موجود ہیں۔ پہلے یہ سب اشیاء ان کے مکان میں تھیں پھر عام استفادہ و زیارت کے لیے مقامی مسجد کے ساتھ متصل مکان نور محل میں محفوظ کر دی گئیں۔ ہر سال ربیع الاوّل کی بارہویں (12) تاریخ کو عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر جلسہ میلاد کے ساتھ ساتھ زیارت تبرکات بھی کرائی جاتی ہے۔

5- موئے مبارک ﷺ المجاہد عمر زئی

اس کے علاوہ عمر زئی چارسدہ (صوبہ سرحد) میں مشہور عالم و مجاہد الحاج محمد امین صاحبؒ کے ہاں بھی ایک موئے مبارک کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف کی جاتی ہے۔

اس موئے مبارک کی تاریخیت کے سلسلے میں خود الحاج محمد امینؒ نے اپنی ایک تصنیف میں ذکر کیا ہے کہ یہ موئے مبارک افغانستان کے بادشاہ امیر عبدالرحمن المتوفی ۱۹۰۱ء سے اس کے ایک ایک وزیر سید گل بادشاہ کی وساطت سے پہنچا ہے۔

گلشن سلطان الہند ضلع اٹک

یہاں بھی آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب ایک موئے مبارک ہے۔ خانقاہ کا نام تبرک کے طور پر خواجہ غریب نواز چشتی اجمیری الملقب بہ سلطان الہند کے نام پر رکھا گیا ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ یہاں موجود ''موئے مبارک'' کا یہ سلسلہ ۲۷ واسطوں سے حضرت علیؓ تک پہنچایا گیا ہے۔ موئے مبارک کے یہاں تک پہنچنے کی تاریخی کڑیوں پر مشتمل کتابچہ اس خانقاہ شریف میں موجود ہے البتہ اس میں درج کسی عالم کے نام کے ساتھ ولدیت یا تاریخ وفات یا کوئی دیگر معلومات درج نہیں جس کی بنیاد پر کوئی تحقیق کی جاسکے۔ اس موئے مبارک کی زیارت ہر سال ۱۲ ربیع الاوّل کو کرائی جاتی ہے۔ ❁

عکسِ تحریر

نام کتاب: رسول کریم ﷺ

مؤلف: پیام شاہجہانپوری

ناشر: رضی الدین خاں

مقام اشاعت: N-23 عوامی فلیٹس ریواز گارڈن لاہور

صفحات: 295

ھدیہ: 100 روپے

محترم جانب پیام شاہجہانپوری اردو ادب، شاعری اور تاریخ کے حوالے سے کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ آپ نے تحریر و تقریر کا آغاز تقریباً چالیس برس قبل جاری ہونے والے ہفت روزہ ''حمایت اسلام'' سے کیا اور سولہ برس اس سے منسلک رہے۔ قریباً پانچ برس ریڈیو پاکستان پر مختلف موضوعات کے حوالے سے تقاریر کرتے رہے۔ 1980ء میں اپنی ذاتی کاوشوں سے ایک ادارہ ''تحقیق و تاریخ'' کے نام سے قائم کیا اور ہفت روزہ ''تقاضے'' کا اجراء کیا۔ آپ پچیس سے زائد کتب کے مصنف ہیں جن میں مقام حسینؓ، حضرت علیؓ اور انکی خلافت، حضرت عثمانؓ اور انکی خلافت، حیات حسنؓ جیسی شہرہ آفاق کتب شامل ہیں۔ شاعری میں آپ کی دو کتابیں، اردو زبان میں ''آئینہ'' اور ایرانی فارسی میں لکھی گئی ''میخانہ عجم'' بہت مقبول ہوئیں۔ آجکل ''۱۸۵۷ء کا جہاد'' کے نام سے ایک کتاب تحریر فرما رہے ہیں جس میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو جسے فاضل مصنف نے جہاد کا نام دیا، کے اصل حقائق بیان کئے جا رہے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب ''رسول کریم ﷺ'' یورپ کے ممتاز مسیحی دانشور تھامس کارلائل کے ایک تحقیقی مقالے کی بنیاد پر تالیف کی گئی۔ ۱۶۲ سال قبل انگلستان جیسے ملک میں کسی عیسائی عالم کا حضور سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شخصیت پر قلم اٹھانا اور انکی مدح بیان فرمانا بذاتِ خود آپ ﷺ کے ہادیٔ برحق ہونے کا اعتراف ہے۔ تاہم کارلائل آپ ﷺ کے اس مبارک مشن کو اس طرح نہ سمجھ پایا جیسے کہ اس کو سمجھنے کا حق تھا۔ چنانچہ کتاب کی اصل روح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ قاری اس بات کو پیش نظر رکھے کہ کارلائل نے کن حالات اور کس ماحول میں آنکھ کھولی۔ یوں اسلام کو پوری طرح سمجھنا اس کے بس میں نہ تھا۔

فاضل مصنف نے اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصہ حضور ﷺ کی سیرت وسوانح سے متعلق ہے جو بنیادی طور پر کارلائل کے افکار و خیالات کا اردو ترجمہ ہے جبکہ دوسرا حصہ قرآن مجید اور اسلام کے بارے میں کارلائل کے غلط خیالات کی تردید ہے۔

محترم ومکرم مؤلف جناب پیام شاہجہانپوری کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے کہ انہوں نے صرف کارلائل ترجمے پر اکتفا کرنے کی بجائے آپ کی شخصیت کے بارے میں غلط فہمی پیدا کرنے والے عناصر کو رد کرتے ہوئے اصل حقائق کو قرآن و سنہ کی روشنی میں قلمبند فرمایا۔ جس کی ایک اہم مثال قرآن حکیم کا آپ ﷺ کی تصنیف کی بجائے کلام الٰہی ہونا ہے۔ اس طرح یہ کتاب نہ صرف مسلمانوں کے لئے ایمان کی تازگی کا باعث ہے بلکہ ان عیسائیوں کے لئے بھی ایک قیمتی اثاثہ بن سکتی ہے جو خلوص نیت سے حق کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ کتاب کے خاص ابواب میں اسلام اور مسیحیت کے بارے میں اس انداز سے لکھا گیا ہے کہ کوئی بھی ذی شعور انسان نبی کریم ﷺ کو نبی برحق اور قرآن حکیم کو کلام الٰہی ماننے سے انکار نہیں کرسکتا۔ آپ ﷺ کی رسالت کے بارے میں حضرت موسیٰؑ کی تصدیق اور حضرت عیسیٰؑ کی بشارت کے حوالے قابل ذکر ہیں۔ ہماری نظر میں یہ کتاب ایک تاریخی دستاویز ہے جو ہر اچھی لائبریری اور ہر علمی گھرانے کے لیے ایک قابل قدر تحفہ ہے۔

نعت رسول ﷺ

شاہ گردوں مقام وعرش خرام — مظہر ذوالجلال و الاکرام
مخزنِ علم و پیکرِ حکمت — ہیں فصوصِ حِکم حروف کلام
کنت کنزاً کی وادیوں کا نور — آسمانِ قدم کا ماہِ تمام
وَرَفَعْنَا کی رفعتوں کا امیں — ابو الارواح کا بھی پیش امام
مطلعِ انبیاء حضور ﷺ کی ذات — مقطعِ انبیاء حضور کا نام
سینہ آئینۂ الم نشرح — دل خدا کی امانتوں کا مقام
تھا یہی انشراحِ صدر کا راز — اس سے لینا تھا آئینے کا کام
خاکِ بطحا بھی کیا عجب شے ہے — جس کو حاصل ہے اُن کا قربِ مدام
تو بھی اعظمؔ غبار رہ بن جا — چاہتا ہے اگر حضورِ دوام

انتخاب

کہکشاں

عائشہ رسول

حضور ﷺ کی بچوں سے محبت اور شفقت

ڈاکٹر عبدالرؤف

سرورِ کائنات ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے لیے شفیق بنایا تھا۔ آپ ﷺ کی شفقت ہر طبقے اور ہر چھوٹے بڑے کے لئے یکساں تھی۔ بچوں پر آپ ﷺ خصوصی شفقت کا اظہار فرماتے تھے اور طرح طرح سے ان کی دل جوئی کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ ﷺ کے قلب پاک میں بچوں کے لئے شفقت و محبت کا ایک سمندر ہے جو ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔

ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں بچپن میں انصار کے کھجوروں کے باغ میں چلا جاتا اور ڈھیلے مار کر کھجوریں گراتا۔ ایک دفعہ لوگ مجھ کو پکڑ کر آپ ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔ آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ ڈھیلے کیوں مارتے ہو؟ میں نے کہا کہ کھجوریں کھانے کے لئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''جو کھجوریں ٹپک کر زمین پر گر جاتی ہیں ان کو اٹھا کر کھالیا کرو، ڈھیلے نہ مارا کرو۔'' یہ کہہ کر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔

رسول اللہ ﷺ کی محبت و شفقت صرف مسلمانوں کے بچوں ہی تک محدود نہ تھی بلکہ آپ ﷺ مشرکین کے بچوں کو بھی پیار کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی جنگ میں مشرکین کے چند بچے لڑائی کی زد میں آکر مارے گئے۔ آپ ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ بہت رنجیدہ ہوئے۔ ایک صحابی نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ، وہ مشرکین کے بچے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''بچے تو مشرکین کے بھی تم سے بہتر ہیں۔'' اور تاکیداً یہ بات دو مرتبہ کہی کہ ''خبردار! بچوں کو قتل نہ کرو۔ خبردار! بچوں کو قتل نہ کرو۔'' آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''ہر جان اللہ ہی کی فطرت میں پیدا ہوتی ہے۔''

آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب کوئی فصل کا نیا میوہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتا تو حاضرین میں سے جو سب سے زیادہ کم عمر بچہ ہوتا وہ میوہ پہلے اس کو عنایت فرماتے۔ آپ ﷺ بچوں کو چومتے اور ان کو پیار کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ اسی طرح بچوں کو پیار کر رہے تھے کہ ایک دیہاتی آیا۔ اس نے کہا کہ تم لوگ بچوں کو پیار کرتے ہو! میرے تو دس بچے ہیں، میں نے اب تک کسی کو پیار نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اگر تم لوگوں کے دل سے محبت چھین لے تو میں کیا کروں۔''

جابر ابن سمرہؓ اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں نے آنحضرت ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ ﷺ اپنے گھر کی طرف چلے۔ میں بھی ساتھ ہولیا۔ ادھر سے چند لڑکے اور نکل آئے۔ آپ ﷺ نے ان سب کو پیار کیا اور مجھے بھی پیار کیا۔

ہجرت کے موقع پر جب مدینے میں آپ ﷺ داخل ہو رہے تھے، انصار کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں گھروں سے نکل کر خوش ہو کر گیت گا رہی تھیں۔ جب آپ ﷺ کا ادھر سے گزر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اے لڑکیو! کیا تم مجھے پیار کرتی ہو؟'' سب نے کہا۔ ہاں یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں بھی تم سے پیار کرتا ہوں۔''

حضرت زیدؓ کے بیٹے اسامہ سے آپ ﷺ اس قدر محبت کرتے تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اسامہ بیٹی ہوتے تو میں اسے زیور پہناتا۔ آپ ﷺ ان کے حال پر اس قدر شفقت فرماتے تھے کہ اپنے دست مبارک سے ان کی ناک صاف کرتے تھے۔ بچوں سے آپ ﷺ کی محبت اور شفقت آپ ﷺ کی شان رحمت اور رحم دلی کا مظہر تھی۔ ❁

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عہد رسالت سے کیا سبق ملتا ہے؟

☆ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مبارک زندگی سب انسانوں کے لئے عمدہ ترین نمونہ ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت و کردار میں وہ سب اچھے اوصاف صاف روشن نظر آتے ہیں جو دنیا کے ہر انسان کے لئے مشعل راہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

بہترین اوصاف کی مثالی شخصیت ﷺ

آنحضور ﷺ خود بھی سچائی کے شیدائی تھے اور دوسروں کو بھی سچ کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ دوست دشمن سبھی متفق تھے کہ آپ ﷺ ایک سچے انسان کا بہترین نمونہ ہیں۔ اسی لئے آپ ﷺ کو ''صادق'' کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ آپ ﷺ کی غیر معمولی دیانت داری کی وجہ سے آپ ﷺ کو ''امین'' کے خطاب سے بھی پکارا جاتا تھا۔ اعلیٰ انسانیت کا کوئی وصف ایسا نہ تھا جو آپ ﷺ کی ذات گرامی میں کمال کو پہنچا ہوا دکھائی نہ دیتا ہو۔ آپ ﷺ بلند اخلاق تھے، دلیر تھے، مستقل مزاج تھے، فراخ دل تھے، سخی تھے، قناعت پسند تھے۔ منصف مزاج تھے، حلیم الطبع تھے، رحم دل تھے۔ آپ ﷺ کے ہر قول و فعل پر فہم و فراست کی چھاپ نمایاں تھی۔

اخلاق حسنہ کے علاوہ آپ ﷺ کے عادات و اطوار بھی بے حد خوشگوار تھے۔ آپ ﷺ صحت و صفائی پسند تھے، جفاکش تھے، ہمدرد تھے، وعدوں کی پابندی کے عادی تھے، سادہ زندگی پسند فرماتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے شکر گذار اور عبادت گذار بندے تھے۔

دنیا کا سب سے پیارا انسان

کون ہوگا جسے ایسے پیارے انسان سے محبت نہ ہو؟ انسانی تاریخ میں جتنی محبت حضور ﷺ سے ہوئی ہے، جتنی محبت حضور ﷺ سے ہو رہی ہے، اور جتنی محبت حضور ﷺ سے ہوتی رہے گی وہ کسی اور کو نہ میسر ہوئی ہے اور نہ ہوگی۔

لوگ حضور ﷺ سے والہانہ محبت کیوں کرتے ہیں؟ اس لئے کہ انہوں نے لوگوں کو سیدھا راستہ دکھایا اور ان کی زندگی کو ہر طرح سے خوشگوار بنایا۔ جب حضور ﷺ اس کائنات میں تشریف لائے تو جزیرہ نمائے عرب جہالتوں اور برائیوں میں گھرا ہوا تھا۔ مگر جب حضور ﷺ نے اپنا مشن مکمل کر دیا تو وہی علاقہ ساری دنیا کے لئے علم و ادب اور تہذیب و تمدن کا ایک مثالی مرکز بن چکا تھا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہماری اس کائنات میں آپ ﷺ کی تعلیمات سے جتنا اجالا ہوا ہے اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ ساری دنیا کے انسان حضور ﷺ کے احسان مند ہیں اور یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں محبت و عقیدت کا جتنا اظہار حضور ﷺ سے ہوا ہے آج تک کسی اور سے نہیں ہوا۔ ❁

عربی الفاظ کے غلط تلفّظ سے معنی میں فرق

تحقیق وتحریر: غلام رسول شاہد

مُرسَل ۔ مُرسِل: اِن الفاظ میں (س پر زبر کے ساتھ) پہلے لفظ کے معنی ہیں جو بھیجا گیا۔ (س کے نیچے زیر کے ساتھ) دوسرے لفظ کے معنی بنتے ہیں بھیجنے والا۔

مُخاطَب ۔ مُخاطِب: پہلے لفظ (ط پر زبر) کے معنی ہیں جس سے بات کی جائے۔

دوسرے لفظ (ط کے نیچے زیر) کے معنی ہیں بات کرنے والا۔

مُصوِّر ۔ مُصَوَّر: پہلے لفظ (و کے نیچے زیر) کے معنی ہیں تصویر بنانے والا۔ دوسرے لفظ (شد کے ساتھ و پر زبر) کے معنی بنتے ہیں تصویروں سے آراستہ۔ جیسے مُصَوَّر رسالہ۔

مُنتظِر ۔ مُنتظَر: پہلے لفظ (ظ کے نیچے زیر) کے معنی ہیں انتظار کرنے والا۔

دوسرے لفظ (ظ پر زبر) کے معنی بنتے ہیں جس کا انتظار ہو۔

مُورِخ ۔ مُورَخہ: پہلے لفظ (ر کے نیچے زیر) کے معنی ہیں تاریخ کی کتاب لکھنے والا۔ دوسرا لفظ (ر پر زبر) کسی سال یا کسی مہینے کے کسی دن کی نشاندہی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

مُتوقَع ۔ مُتوقِع: پہلے لفظ (ق پر زبر کے ساتھ) کے معنی ہیں جس کی امید یا توقع ہے۔ (ق کے نیچے زیر کے ساتھ) دوسرے لفظ کے معنی ہیں توقع رکھنے والا۔

زبر یا زیر صحیح جگہ لگانے کی ضرورت

مُعزَّز: عزت کے لائق کے معنی میں استعمال کرتے ہوئے اس لفظ کے تیسرے حرف ز پر زبر لگانا ضروری ہے۔ ز کے نیچے زیر لگانے سے معنی میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔

مُعلِّم: تعلیم دینے والا کے معنی میں اس لفظ کے تیسرے حرف ل کے نیچے زیر کی ضرورت ہے۔

مُعظَّم: تیسرے حرف ظ پر زبر لگانا ضروری ہے۔ اس لفظ کے معنی ہیں عظیم اور شریف۔

مُثبَت: پہلے حرف م پر زبر لگانا غلط ہے۔ اس لفظ کے معنی ہیں ثبوت اور یقین کے ساتھ۔

مُکرَّم: تیسرے حرف ر پر زبر ہے۔ اس لفظ کے معنی ہیں عزت واحترام کے لائق ہیں۔

مُکمَّل: معنی (پورا۔ تمام): تیسرے حرف م پر زبر ہے۔

مُمتَحِن: معنی (امتحان لینے والا): تیسرے حرف ت پر زبر۔ چوتھے حرف ح کے نیچے زیر۔

مُنتَخَب: معنی (انتخاب کیا گیا) ت اور خ پر زبر ہے۔

مُتَّحِدہ: لفظ اِتحاد کی طرح یہاں بھی ت پر شدہ ہے۔ د پر شد لگانا غلط ہے۔

مُتَّفِقہ: لفظ اِتّفاق کی طرح یہاں بھی ت پر شد ہے ق پر نہیں ہے۔

مُدَبِّر: تیسرے حرف ب کے نیچے زیر ہے۔ حرف ب پر زبر لگانا غلط ہے۔ معنی ہیں تدبیر کرنے والا عقلمند انسان۔

مُدرِّس: معنی (درس دینے والا اُستاد) تیسرے حرف ر پر شد اور نیچے زیر ہے۔

مُسلَّمہ امر: معنی (درست تسلیم کی گی بات): ل پر شد اور زبر ہے۔

مُرغَّن: معنی (بہت گھی والی خوراک): تیسرے حرف غ پر شد اور زبر ہے۔

مُصنِّف: (کتاب یا مضمون لکھنے والا): تیسرے حرف ن پر شد اور نیچے زیر ہے۔

مُہذَّب: (اچھی تعلیم والا): ذ پر شد اور زبر ہے۔

مُستعمَل: (جو استعمال میں لایا جاتا ہے): پانچویں حرف م پر زبر ہے۔

مُرکّبات: مُرکّب الفاظ: تیسرے حرف ک پر شد اور زبر ہے۔

معنی: ایسے الفاظ مثلاً قادرِ مطلق۔ اللہ تعالیٰ۔ ❁

LRL NO.75

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ
عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی
اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی
اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝

